رجسٹرڈ نمبر اے ۳۷۸

اسلامی دنیا
بدایوں

چیف ایڈیٹر
حسن افضل بدر

(مطبوعہ شانتی پریس بدایوں)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

در محفلِ خود راہ مدہ ہمچو منے را — افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

جلسہ ہائے مزار حضرت شہید ثالث علیہ الرحمۃ کے موقع پر یہ ہیچمدان بھی حاضر ہوا تھا اور میرے بعض مخلص کرم فرماؤں نے مجھ سے خواہش کی کہ ایک کاغذ جس پر میرے اکثر محترم بزرگوں اور احباب کے دستخط تھے میں بھی اپنے دستخط کر دوں۔ میں آج تک پارٹی بندی سے قطعی علیحدہ رہا ہوں اور کسی معاملہ میں بغیر سوچے سمجھے دخل نہیں دیتا اور میں اس قابل بھی نہیں ہوں کہ مقتدر اور نامور ہستیاں جس کام میں شریک ہوں میں بھی اس میں دخل دیکر اپنا رسوخ ثابت کروں اس لئے میں نے دستخط کرنے سے تو اپنے آپ کو معذور ظاہر کیا لیکن جب زیادہ اصرار ہوا تو ایک تحریر اسی مطبوعہ کاغذ کے سادہ صفحہ آخر پر لکھ دی جس سے کوئی قطعی فیصلہ کتاب شہید انسانیت کے متعلق میں نے نہیں کیا۔ نہ جمہور کی ہمنوائی کی بلکہ یہ لکھ دیا کہ اگر اس کتاب میں کوئی مضمون خلاف مذہب اثنا عشری ہے اور مسلمات علماء سابقین اور لاحقین کے خلاف درج ہے تو میں اس کے خلاف ضرور آواز بلند کروں گا۔ میں نے بغور پڑھا ہے اور نوٹ بھی لکھے ہیں لیکن کتاب میرے پاس موجود نہیں ہے طلب کرونگا اور جس وقت مل گئی ریویو شائع کروں گا یا ادارہ کو مطلع کرونگا۔ خارجاً یہ سنا ہے کہ اخبارات میں میرے متعلق شائع کیا گیا ہے کہ میں نے کسی نظریہ کی تائید یا رد کی ہے جو بہت سے حضرات کے فتوے یا دستخط سے شائع ہوا ہے ایسا نہیں ہے میرا ایک ریویو اسی رسالہ میں صفحہ ۵ پر نظر آئیگا لیکن بحالات موجودہ رسالہ ہذا کے ایک صفحہ میں اور گنجائش تھی اس لئے میں اپنا مزید بیان شائع کرنے پر مجبور ہوں اور حسب وعدہ اگر زندہ رہا تو مکمل ریویو بھی پیش کرونگا۔ میں صرف ناظرین رسالہ اسلامی دنیا کے اطمینان کیواسطے اپنا بیان شائع کرتا ہوں تاکہ غلط فہمی دور ہو۔

محمد لقاء علی حیدری

مکمل ریویو کا اشاعت آئندہ میں انتظار کیجئے کتاب "شہید انسانیت" کے متعلق شیعہ جرائد و روزنامہ جات میں اس قدر شور و غوغا بلند ہے کہ ناواقف آدمی واقعی حواس باختہ ہو جائے کسی معاملہ کو۔ وہ قومی ہو یا مذہبی۔ اگر اصلاح طلب ہے اور مصلحین انفرادی حیثیت سے یا اجتماعی حیثیت سے اسکی اصلاح کے خواہشمند ہوں تو ضرور اصلاح ہو کر رہتی ہے لیکن اگر اصلاح کے پردہ میں کچھ اور مقصد ہو تو طرفین کو مضرت پہونچنے کا اندیشہ بھی یقینی ہے۔ طرفین سے مراد ہے اصلاح کنندہ افراد یا جماعت اور جس کے نظریہ کی اصلاح مقصود ہو۔ کتاب شہید انسانیت کے مرتب اور مؤلف تو یقیناً جناب سید العلماء دام ظلہ العالی ہیں لیکن پیاری کتاب صرف ایک ہی شخص کی دماغی کاوش کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ مذاہب مختلفہ کے مشاہیر کے قلمی شاہکاروں کا مجموعہ ہے۔ اس صورت میں نہ اس کتاب کو کسی خاص مذہب کی کتاب کہا جا سکتا ہے نہ یہ کسی خاص عقیدے کی ترجمان ہے۔ بلکہ محسن انسانیت حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت عظمیٰ کے متعلق اپنے اپنے نقطۂ نظر کو ہر شخص نے پیش کیا ہے اور حضرت سید العلماء دام ظلہ العالی کا یہ احسان ہے کہ انھوں نے اس سلک مروارید کو دنیا کے روبرو پیش کر دیا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ساری کتاب میں بہت سے مقامات ایسے ہیں جو قابل نظر ہیں اور اکثر جگہ کتابت وغیرہ کی بھی غلطیاں رہ گئی ہیں بعض حضرات نے ایسی تاریخی معلومات کو پیش کیا ہے جو مسلمات کے تحت میں نہیں آسکتے لیکن ان تمام چیزوں کی اصلاح کی واحد صورت یہی ہو سکتی تھی کہ کوئی بزرگ یا چند معتقد حضرات ایک مفصل فہرست امور اصلاح طلب کی مرتب کرکے ادارہ یادگار کو متنبہ فرماتے۔ اور یہ ادارہ اشاعت آئندہ میں ان اصلاحات پر غور و خوض بحث و تمحیص کرنے کے بعد فرد گذاشتوں کو دور کر دیتا اور کتاب ایک مکمل یادگار کی صورت اختیار کر لیتی۔ ایسا نہیں ہوا اور کیوں نہیں ہوا یہ ہم سے نہ پوچھا جائے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو نہیں چاہتے کہ کتنا ہی ضروری کام کیوں نہ ہو ان سے اختلاف رائے رکھنے والا اس کو ہرگز نہ کرے۔ اور وہ خود بھی نہ کریں۔ جن حضرات کے اسمائے گرامی کے ساتھ شہید انسانیت کے خلاف فیصلہ اور فتویٰ شائع ہوا ہے ان میں سے اکثر حضرات کے ساتھ مجھے عقیدت خاص ہے اور میں ان کو اپنی قوم کیواسطے مایۂ ناز ہستی سمجھتا ہوں لیکن مجھے یقین کامل ہے کہ تمام حضرات نے جن کے اسمائے گرامی فتوے اور فیصلہ کے سلسلہ میں شائع ہوئے ہیں اس کتاب کو بالاستیعاب ملاحظہ نہیں

سلام

اثر خامۂ حقیقت رقم سرکار ابد قرار حضور عالی امیر الامرا ہز ہائی نس نواب سر واصف علی میرزا بہادر (آکسن) نواب بہادر آف مرشد آباد بالقابہ
"سرپرست رسالہ اسلامی دنیا"

ہوا عالم جو بیدار آمدِ مہرِ منور سے — فلک گونجا صدائے نعرۂ اللہ اکبر سے
زمیں مقتل کی تپتی تھی جگر پیاسوں کا پھنکتا تھا — نہیں پانی میسر ہے کہا شہ نے یہ خواہر سے
ہوئے بیچین جب آلِ نبی تشنہ دہانی سے — چلے عباسؑ لیکر مشک بس خیمہ کے اندر سے
نمازی سب تھے ہمراہِ رکابِ شاہِ دیں اسدم — ہوئے رخصت جو حضرت عابدِ بیمارِ مضطر سے
چمکتی ذو الفقارِ حیدری تھی برق کی صورت — لعین سہمے ہوئے ہٹتے تھے پیچھے جان کے ڈر سے
زبانِ شاہ پر تکبیر کا نعرہ چڑھا تھا ہر دم — نہ بڑھتا تھا کوئی بیدین آگے خوفِ سرور سے
ہوئی برپا صدائے الاماں ہر سمت اعدا میں — شقی گھبرا کے سب بھاگے تھے خوفِ ابنِ حیدر سے
کئے وار اس قدر اعدا نے شہ کے جسمِ اقدس پر — نہ آخر رخش پر سنبھلا گیا جانِ پیمبر سے
خیال آیا جو امت کا تو روکی تیغ مولا نے — ہوئے مجبور حضرت ظالموں کے مکر سے شر سے
گرے سبطِ نبی جس دم ہوا غل ہر طرف رن میں — عوض لینے بڑھا شمر یعنی زہرا کے دلبر سے
گھرا تھا ماہِ زہرا اس طرح سے فوجِ اعدا میں — جھلکتا نور اک پیدا ہوا بادل کے اندر سے
گھٹا چھائی تھی غم کی ہر طرف سے شاہِ والا پر — صدائے گریہ پیہم آتی تھی قبرِ پیمبر سے

رہے روشن چراغ اسلام کا یا رب قیامت تک
دعا واصف کی ہے ہر دم یہ اُس خلاقِ اکبر سے

دیگر

ہزاروں سے لڑے شہ رن میں ہمت اسکو کہتے ہیں — پلک جھپکی نہ حضرت کی شجاعت اسکو کہتے ہیں
نہ کی کچھ بے دیاری میں خیالِ ظلم کی پروا — سپر تھے دینِ احمدؐ کی حمایت اسکو کہتے ہیں
بہارِ گلشنِ احمدؐ میں آئی تھی خزاں ایسی — اُجاڑا باغِ زہرا کا عداوت اسکو کہتے ہیں

نہ غم تھا اور نہ ڈر تھا اپنی بربادی کا بیکس کو — دیا راہ خدا میں سر سخاوت اسکو کہتے ہیں
گرا دانہ اگر کوئی تو چُن جاتا تھا مقتل میں — قدم دشوار تھا رکھنا نزاکت اسکو کہتے ہیں
دیا قطرہ نہ پانی کا کسی نے ابن حیدر کو — نہ تھا فریاد رس کوئی مصیبت اسکو کہتے ہیں
ہوا تھا خاتمہ اندوہ و غم کا شاہ والا پر — دعائے بد نہ فرمائی مروت اسکو کہتے ہیں
فلک رویا تن عریاں شہ کو دیکھ کر رن میں — تھے محتاج کفن شبیر غربت اسکو کہتے ہیں

تلاطم میں زمانہ آگیا یوں قتل سرور سے
اندھیرا چھا گیا واصف قیامت اسکو کہتے ہیں

بقیہ مضمون صفحہ ۲ فرمایا ہے۔ اور نہ اس قدر فرصت اُن حضرات کو ہوسکتی ہے۔ صرف جسقدر عبارتیں نقل کرکے فتوی حاصل کیا گیا ہے اسکے متعلق بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ان عبارتوں کو اصل کتاب سے ملا لیا گیا ہے یا صرف کاتب کے اقتباس دیکھ کر فیصلہ یا فتوی صادر کیا گیا ہے۔ اس صورت میں حقیقت پر پردہ ہی پڑا رہتا ہے میں ایک زاویہ نشین انسان کی حیثیت رکھتا ہوں۔ نہ اس اعتبار پر کہ کسی مقدس مقام پر معتکف ہو کر بیٹھا ہوں بلکہ خدا کے تفضل و کرم سے نام و نمود اور شہرت پسندی کی فضا سے قطعی دور ہوں ورنہ اب تک "پیران نمی پرند مریدان می پرانند" کے مطابق کچھ نہ کچھ پیر و پا گیا ہوتا۔ یوں تو میری زندگی عملاً خانہ بدوشی کی زندگی ہے۔ اب جبکہ ۶۰ سال کا ہو گیا ہوں وزن کم ہو گیا ہے اور ایک سخت مرض کا شکار ہو رہا ہوں بصرف ۳ ماہ کے عرصہ میں ۸ ہزار میل سفر کر چکا ہوں۔ اس سب کے باوجود اقرار صلح کرتا ہوں کہ جملہ حضرات واعظین کرام جو حقیقتاً مذہب حق کی تبلیغ و اشاعت میں کوشاں ہیں ان کے خاک قدم بننے کی بھی مجھ میں استعداد نہیں ہے۔ میں کیا اور میری تحقیق اور تفتیش کیا۔ "شہید انسانیت" خدا کے فضل و کرم سے اردو زبان میں لکھی گئی ہے اور اتنا کہنے میں مجھے تکلف نہیں ہے کہ میں اردو زبان جانتا ہوں۔ بولتا بھی ہوں اور سمجھتا بھی ہوں کسی کتاب میں سے اقتباس پیش کرکے کسی خاص مطلب کو پیدا کرنا اور شے ہے اور [illegible] کتاب کو پڑھ کر اس کے ناقابل تسلیم مضامین کی فہرست مرتب کرنا اور بات ہے۔ حضرت سید الشہدا علیہ السلام کے "غسل و آداب طہارت" بجا لانے کے واسطے جو وجہ ذکر ہے اگرچہ روایت شیعہ حضرات کے بیان نہ ہوتی تب صرف "آداب غسل و طہارت" بجا لانے کے واسطے اہتمام فرمانا ہرگز خلاف عقل و مذہب نہیں ہو سکتا تھا۔ مجھے بھی سطحی طور پر عبارت پڑھنے کے بعد یہ شبہ پیدا ہوا تھا کہ ایسا کیوں لکھا گیا اس بحث سے غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے۔ لیکن لکھنؤ کے بعض معتقد حضرات کی طرف سے ۹۶ سوالات شائع ہوئے۔ اور ان میں اس شبہ کے دور کرنے کے واسطے جو سند پیش کی گئی ہے وہ اگر ضعیف روایات ہی ہوں (حالانکہ ایسا نہیں ہے) تب بھی یہ دعوی کہ کسی ضعیف روایت سے بھی ایسا ثابت نہیں ہے بالکل غلط ثابت ہوتا ہے۔ اب یا تو مستفتی حضرات نے اس امر کی جانب توجہ نہیں فرمائی اور یہ دعوی کر دیا یا کسی خاص وجہ سے ایسا کیا گیا۔ العلم عند اللہ۔ لیکن مجھے حیرت ہے کہ حضرات علمائے اعلام کثر اللہ امثالہم نے اس کی تائید کس طرح فرما دی۔ روایات یقیناً ان کی نظروں سے گزری ہوں گی ضعیف ہی سہی اور ان کی تحقیق کے بموجب وہ ناقابل اعتبار اور ناقابل سند لیکن فتوے کے ساتھ اس قدر لکھنا ضرور تھا کہ بعض ضعیف روایات اس امر کا پتہ دیتی ہیں لیکن یہ قابل اعتبار و لائق توجہ نہیں ہیں۔ ۹۶ سوالات مطبوعہ کے اندر چند مقامات پر توجہ دلائی گئی ہے جیسے امام علیہ السلام کا خصوصیت کے ساتھ اور آپ کے اعوان و انصار و اہلبیت کا ۳ دن تک پیاسا رہنا ثابت ہے اس صورت میں ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ غسل کے واسطے پانی موجود تھا لیکن معاذ اللہ امام معصوم نے بچوں کی پیاس کی طرف مطلقاً التفات نہ فرمایا۔ یہ ساری کتاب میں کسی ایک لفظ سے بھی مستنبط نہیں ہوتا۔ اگرچہ میں خود اپنی رائے کو کوئی وقعت نہیں دیتا ہوں پھر دوسروں کے نزدیک میری رائے کیا اور میں خود کیا اس قدر ضرور عرض کروں گا کہ وہ مقام جہاں "آداب غسل و طہارت" کا بجا لانا بیان کیا گیا ہے یہ ضروری نہ تھا۔ اور آئندہ اشاعت میں اس کو نظر انداز ہی کر دیا جائے کیونکہ اس سے واقعی عوام کو سخت غلط فہمی ہوگی اور غیروں کو بجائے "اخلاق و حفظ دین" کے متعلق امام علیہ السلام کا نظریہ سمجھنے میں دھوکا ہوگا کہ پانی تھا [illegible] سے شہید نہیں ہوئے تاکہ ہم کہیں کہ ۳ روز تک پانی بند رہا۔ بچے بلکتے رہے کوئی ایک نہ سنے گا۔ ہم سر دست اس قدر درخواست فریقین سے کرکے اس مقالہ کو ختم کرتے ہیں کہ بزرگوار محترم خدا کے واسطے نیک نیتی کے ساتھ کسی معاملہ کی اصلاح کے واسطے کوشش کیا کرو۔ جو راہ عمل اختیار کرو وہ راہ فتنہ و فساد نہ ہو اور جو امور اصلاح طلب ہوں ان کی اصلاح ضرور ہو۔ آخر میں یہ بانگ دہل یہ اعلان کرنے پر مجبور ہوں کہ "شہید انسانیت" فرقہ حقہ شیعہ کے عقائد کی کتاب ہرگز نہیں ہے اور اس سے ہمارے عقیدے پر اعتراض کرنے والا یقیناً مغفل ہوگا۔ یہ "شہید اعظم اسلام" کے متعلق اقوام عالم کی تحقیقات اور آراء کا مجموعہ ہے اور بس۔ یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ اس بحث کا خاتمہ بعنوان مناسب ہو گیا۔ الحمد للہ۔

حیدری۔ ۴ ر اپریل ۱۹۴۵ء

عالیجناب جلالتمآب نواب سید خاقان حسین صاحب عارف دہلوی رئیس کانپور نے حضرت قمر الواعظین مدظلہ العالی کے خدمات دینیہ کی قدر فرماتے ہوئے ایک منظومہ مرحمت فرمایا ہے جو ناظرین اسلامی دنیا کے ملاحظہ کے واسطے پیش کرتا ہوں جناب نواب صاحب دام اقبالہٗ کا کلام فارسی کبھی کبھی اسلامی دنیا میں بھی شائع ہوتا رہتا ہے۔ آپ علوم مشرقی و مغربی میں ید طولیٰ رکھنے کے ساتھ ساتھ اشعار و فارسی اور انگریزی زبان میں بہترین شعر کہتے ہیں۔
خاکسار: مدیر چیف ایڈیٹر

دی تکفیل معین ملت بود — ہمت و عزم و تیغ و قدرائے علیؑ
لیک امروز شہرت اسلام — ہست از حضرت لقائے علیؑ

شہید انسانیت

مندرجہ بالا کتاب ہمارے یہاں بغرض ریویو آئی تھی۔ ہم نے اس کا بالاستیعاب وقت نظر کے ساتھ مطالعہ کیا اور کتاب کو بہر صورت واقعات کربلا کی "انسائیکلوپیڈیا" پایا۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں بھی ہر شے ملتی ہے۔ لیکن مختلف اہل قلم کا زور قلم ابواب مختلفہ پر۔ وہ بھی اس وجہ سے ہر لکھنے والے واقعی اہل قلم حضرات ہیں۔ پھر بھی جماعت مؤلفین نے تمام مضامین کو ہرگز بجنسہ درج نہیں کیا جس قدر ضروری اور مفید مطلب پایا اس کو درج کیا اور غیر ضروری حصے نظر انداز کر دئے کبھی نہیں سنا گیا کہ صاحب قلم نے فریاد کی ہو کہ میرے مضمون کو نکال کیوں دیا کل کا کل کیوں نہ لکھا اختلاف کے وجوہ کیوں نوٹس کی صورت میں درج نہ کر دئے۔ حق یہ ہے کہ کہنے اور کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے ہر لکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ میں نے جو لکھا ہے وہ بے مثل و بے نظیر ہے۔ اس کا جواب سلف سے آج تک نہیں ہوا نہ ہو سکتا ہے۔ اور ذرا کہیں کوئی امر خلاف مزاج ہوا بس پھر کیا ہے نعل در آتش ہو "شہید انسانیت" طبع کرا کے نہ تیس پینتیس ہزار روپیہ ٹھکانے لگا یا گیا ہے نہ یہ آخری اور انتہائی کوشش تھی جو اس سلسلہ میں کی گئی ہے۔ کتاب کی تیاری میں جو رقم صرف ہوئی ہے اس کا زیادہ تر حصہ اسی کتاب کے ذریعہ سے وصول ہو گیا ہے اور رقم ابھی محفوظ ہے جو کسی بڑے اہم کام میں صرف کی جائے گی۔

کتاب بغرض ریویو صرف اس واسطے بھیجی گئی ہے کہ اس اشاعت میں جو کمی رہ گئی ہو وہ آئندہ اشاعت میں پوری کر دی جائے اور جب کتاب سارے ملک سے پسندیدگی اور مقبولیت کی سند حاصل کر لے اس وقت اس کے تراجم دوسری زبانوں میں شائع کئے جائیں جو دنیا کی مختلف زبان جاننے والے اشخاص سے شہید انسانیت کو روشناس کرا دیں اور امید ہے کہ دنیا کا با فہم طبقہ اس محسن انسانیت کے حالات زندگی اور فلسفہ شہادت کا مطالعہ کرنے کے بعد

اپنے واسطے شاہراہ عمل اختیار کرنے میں پس وپیش نہ کرے گا یہی اس یادگار کا مقصد ہے اور اس کے لئے یہ ساری کدوکاوش کی جارہی ہے۔ اگر کتاب میں بعض اہم عنادین پر بحث نہیں کی گئی ہے تو صاحبان قلم کا فریضہ ہے کہ وہ مختلف عناوین کے تحت اپنی علمی تحقیقات قلم بند کرکے ادارہ یادگار کو بھیجیں۔ آئندہ اشاعت میں اُن کے واسطے جگہ ضرور نکالی جائے گی مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ تمام حضرات اہل قلم ذرا احتیاط سے کام لیں ثقیل الفاظ سے اپنے مضمون کو زوردار بنانے کی کوشش نہ کریں۔ غیر مانوس محاورات استعمال نہ کریں اور صرف حقائق درج کریں تاکہ کتاب درحقیقت روایتوں کا مجموعہ نہ سمجھی جائے بلکہ تاریخی حقائق کا مخزن اور معدن نظر آئے۔ چونکہ یہ کتاب کسی خاص فرقہ کے واسطے نہیں لکھی گئی ہے اس لئے اس میں کسی خاص فرقہ کے عقائد کا لحاظ کرتے ہوئے بعض اعتقادی چیزیں درج کرنا ہرگز مناسب نہیں ہے۔ اعتقادات کا تعلق انفرادی یا جماعتی ہوسکتا ہے لیکن کسی فرد یا جماعت کا اعتقاد عام انسانیت کیواسطے حجت نہیں ہوسکتا لہذا حضرت سید الشہدا علیہ السّلام کو کسی خاص قوم اور قبیلہ کا پیرو بنانے کی کبھی کوشش نہ کی جائے۔ جناب جوش ملیح آبادی نے عرصہ ہوا تھا تو کہا تھا کہ:۔

"انسان کو بیدار تو ہو لینے دو۔ ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ" غالباً نہیں بلکہ یقیناً یہ جلسہ ہائے یادگار سے پہلے کی بات ہے اب تو خدا کے فضل وکرم سے دنیا کے ہر گوشہ سے آواز آرہی ہے کہ حسینؑ رہنمائے انسانیت ہیں۔ ہم نے بھی کتاب پر ریویو لکھنے کی کوشش کی ہے لیکن ہماری مجبوریاں اور معذوریاں سنگ راہ ہیں اور ہم اب تک اپنے خیالات کو ضبط تحریر میں نہ لاسکے۔ صرف نوٹس ہمارے پاس موجود ہیں۔ کتاب جو ریویو کے واسطے آئی تھی وہ اپنے سے زیادہ مستحق شخص کو دیدی اب اگر حضرت سید العلما دام ظلہ العالی ایک دوسرا نسخہ بھجوادیں تو ہر صفحہ اور ہر باب کے متعلق جو تنقید اور تبصرہ ہے اُس کو لکھکر پیش کردیا جائے۔ ہم نے جوش ملیح آبادی کی رباعی کے وزن اور قافیہ پر ایک رباعی کہی ہے جو ہمارے دعوے کی دلیل اور حالات حاضرہ کی صحیح ترجمانی کررہی ہے۔ وہو ہذا

رباعی

اللہ کے محبوب کے پیارے ہیں حسینؑ — اور فاطمہ کے راج دلارے ہیں حسینؑ
دنیا نے ابھی خواب سے کروٹ لی ہے — ہر قوم پکار اٹھی ہمارے ہیں حسینؑ

خاکسار حیدری

اخبار مدینہ کی چیرہ دستیاں۔

یزید کے ٹھیکہ دار ہر سال محرم کے مہینہ میں اُس کے قریب تعزیہ داری، مجالس مظلوم کربلا ماتم، علمبرداری اور دوسرے امور کے متعلق جو عزائے مظلوم کربلا سے متعلق ہوں خوب زہر پاشی کرتے ہیں۔ پمفلٹ بازی ہوتی ہے۔ اشتہارات چھاپے جاتے ہیں اور جن اخبارات کا مقصد حیات صرف یزیدی پروپگنڈا ہے وہ نظم اور نثر سے اپنے اخبارات اور رسائل کے کالموں کو سیاہ کرتے ہیں۔ کسی حسینی نے التفات کیا جواب دیا تو خیر ورنہ اُن کے نامۂ اعمال کی طرح یہ اخبارات کی سیاہی باقی رہتی ہے۔ ایک صاحب ہیں ابو الاسرار رمزی۔ اٹاوی انھوں نے اپنی دلی کدورت کا اظہار ایک نظم کے ذریعہ سے کیا ہے جو اخبار مدینہ کے ۴ محرم الحرام ۱۳۶۴ھ کی اشاعت میں درج ہے اسی اشاعت میں طلعت نہٹوری نے "تعزیہ دارسے!" ایک نظم لکھی ہے۔ خدا جانے اس "تعزیہ دار سے!" کا مفہوم کیا ہے۔ یہ اُسی قسم کی اردو ہے جو چند سال سے اس گرانی کے زمانہ میں پیدا ہوگئی ہے۔ بہرحال ہم ان اٹاویکا اور نہٹوری دونوں سے!" جواب لکھتے ہیں خدا کرے اُن دونوں اور مدیر مدینہ ملاکر تینوں کی سمجھ میں آجائے۔

نامہ نگارو! شاعرو! وغیرہ وغیرہ۔ سچ بتانا سال کے گیارہ ماہ میں تمہاری کتنی نظمیں اور مضامین مسلمین کی اصلاح میں شائع ہوئے اور تمہاری اُس دماغی اور دلی کاوش کا نتیجہ کیا برآمد ہوا۔ یا صرف عزاداران حسین ہی تمہارے تیروں کا نشانہ بننے کے لئے وقف ہیں۔ تمہارے ترکش جب خالی ہوجاتے ہیں تو پھر ڈھونڈھ کر وہی پرانے بوسیدہ زنگ خوردہ تیر تلاش کرکے لاتے ہو۔ اگر تیر نہیں ملتے تو خالی ترکش ہی نشانہ پر لگاتے ہو اور تہی دست رہ جاتے ہو۔ ابو الاسرار خدا جانے کس رعایت سے نام رکھا ہے یہ ان کے والد ماجد نے تو ہرگز نہ رکھا ہوگا خود ساختہ معلوم ہوتا ہے یا صاحبزادہ کی ولادت کے بعد اب ابو الاسرار ہوگئے ہوں گے جو کچھ بھی ہو ہم پہلے اُن کی نظم درج کرتے ہیں پھر اُس پر تبصرہ کرینگے۔

"تعزیہ" (از ابو الاسرار رمزی اٹاوی) دوش توحید پہ ؍ شرک کا یہ بار گراں ؍ سرفروشی کے مہینے میں ضلالت کا نشان (۲) کوئی کرتا ہے طواف اور کوئی جھک کے سلام ؍ یہ سمجھتے ہیں کہ اس پنجرے میں ہے روح امام (۳) آہ بیہودہ توہم۔ یہ عقیدوں کا سراب ؍ مرد مومن کا کئے دیتے ہیں ایمان خراب۔ (۴) کیوں نہ ماتم کریں ہم جہل کے سرداروں کا ؍ تعزیہ داروں کا اور تعزیہ برداروں کا (۵) اپنے اسلاف کے اطوار بدل ڈالے ہیں ؍ کپڑے اُجلے ہیں مگر قلب و عمل کالے ہیں (۶)

یہ سفیدی بھری قبریں ہیں مسلمان نہیں ۔ یا دھوکا ہوتا ہے کہ تابوت ہیں انسان نہیں۔ فقط یہ ۶ شعر ہیں تعزیہ کی سرخی کے ذیل میں ۔ اب ذرا لگے ہاتھوں ابوالاسرار صاحب کے تعزیہ کا تبصرہ بھی ملاحظہ ہو۔ جناب والا یہ توحید تعزیہ بردار کا نام ہے یا جس طرح آپ لوگ خالق کائنات کو مجسم مانتے ہیں اُس کی توحید کا بھی مجسمہ فرض کر کے اس کے دوش پر بار گراں رکھدیا۔ شرک کی تعریف بھی معلوم ہے یا یوں ہی لفاظی کی عادت ہے جو جا بجا لکھ مارا۔ اگر شرک کے بار گراں سے مراد خدانخواستہ نقل روضۂ حضرت سید الشہدا علیہ السلام ہے تو آپ کو معلوم ہونا چاہئیے کہ عام طور پر جو ضریح مبارک کی شبیہیں بڑی بنائی جاتی ہیں اُن کو اُٹھانے کے واسطے مسلمان غیر مسلم مزدوروں کو لگاتے ہیں اور اس قسم کی ضریحیں سارے ہندوستان میں حضرات اہل سنت والجماعت بناتے ہیں خدا وند عالم اُن کی توفیقات میں اور اضافہ فرمائے۔ چونکہ اُن کے یہاں مذہباً بھی غیر مسلم کے ہاتھ کی پکی ہوئی شئے کھا لی جاتی ہے اگر وہ اس کام کے واسطے بھی کہاروں کو لگاتے ہیں تو قابل اعتراض نہیں ہو سکتا اب یہ مصرعہ یوں ہونا چاہئیے "شرک کے دوش پہ توحید کا یہ بار گراں" اب یہ بامعنے مصرعہ ہو گیا یعنی مسلمان تعزیہ دار اب اس درجہ اپنے مشن میں کامیاب ہو گئے ہیں کہ مشرکین کو آمادہ کر دیا ہے کہ وہ اُس علمبردار توحید کی ضریح کی نقل کو اٹھانے پر آمادہ ہو گئے ہیں جس نے علم توحید بلند کرنے میں اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کر دیا اور حضرت اقبال نے خوب فرمایا ہے "نقش الا اللہ بر صحرا نوشت ۔ سطر عنوان نجات ما نوشت" دوسرا مصرعہ بالکل مہمل اور بے معنی ہے۔ اگر یہ واقعہ ہے کہ یہ شبیہ ابوالاسرار کے نزدیک سر فروشی کا ہے تو مہربانی کر کے اپنے خاندان کے چند سر فروشوں کے نام شائع کر دیں جنھوں نے اس ماہ میں سر فروشی کی ہو۔ انشاد اللہ ایسا مرتے دم تک نہ کر سکیں گے۔ دین فروشی اور سر فروشی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ جو دین کو بیچ کر دنیا خرید کرنے کے عادی ہیں اور اپنے اسلاف سے یہی سبق سیکھا ہو اُن سے سر فروشی سے کیا ربط ہے۔ اگر اپنے خاندان میں سے کوئی سر فروش نہ مل سکے تو اپنے اسلاف میں سے آدمی ورجن بھی نام شائع کر دیں تاکہ سر فروشی کے معنے سمجھ میں آ سکیں۔ "ضلالت کا نشان" بالکل بے ربط معلوم ہوتا ہے لیکن اگر اس نشان سے مراد وہ شبیہ نشان لشکر حسینی ہے جو مسلم تعزیہ دار ہر سال ماہ محرم میں بلند کرتے ہیں تو یہ نشان ضلالت ہوا یا یزیدی کردار کو ظاہر کرنے والا۔ ابھی ہم آپ کی سخن گستری کی داد دیتے ہیں اس سے فارغ ہو کر تعزیہ کے متعلق اطمینان بخش بحث کریں گے۔ اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ یزید کے شبیکہ دار اور بنی امیہ کے ہوا خواہ نہ کبھی راہ پر آئے ہیں نہ آئیں گے۔ لیکن ہم "حافظ

وظیفہ نو دعا گفتن است و بس ۔ ورنہ بند لعا آں بہاش کہ نشنید یا نشنید" پر عمل کریں گے۔

دوسرے شعر میں نشان سے قطع نظر کر کے صرف تعزیہ کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور طواف اور سلام کے بعد تعزیہ کو پنجرہ بنایا ہے اور پنجرہ میں روح امام عالی مقام کو جگہ دی ہے۔ خدا اس بدحواس پر رحم کرے۔ اے دشمن آل رسول حضرت امام عالی مقام کی شان میں یہ گستاخی اور بے ادبی منتقم حقیقی اس بد دہنی کی سزا دے گا آمادہ رہنا۔ وہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے۔ ان اللہ یمہل و لایہمل (القرآن) کیا کبھی دنیا کے پردہ میں کسی تعزیہ دار نے تعزیہ کو پنجرہ اور اس میں روح امام مظلوم کو مقید سمجھا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ میں تمام تعزیہ داروں کی طرف سے بحلف کہہ سکتا ہوں کہ کبھی کسی نے آن واحد کے واسطے بھی ایسا تصور نہیں کیا بلکہ تعزیہ کی تعظیم اور توقیر صرف حکم خدا کے بموجب کی جاتی ہے اور اس کو شبیہ روضۂ فرزند رسولؐ سمجھ کر اس کا احترام کیا جاتا ہے۔ تیسرا شعر بے مثل ہے۔ خود اپنے خیال کی رد فرماتے ہیں کہ ایسا توہم جس کا ذکر ہو چکا اور جس کو دہرانے میں مجھے شرم آتی ہے بیہودہ ہے اور ایسا عقیدہ سراب کی حیثیت رکھتا ہے ہمیں اس سے بالکل اتفاق ہے۔ اور کسی مرد مومن کا ایسا نہ عقیدہ ہو سکتا ہے نہ اس قسم کا توہم اس کے دل میں جگہ پا سکتا ہے ہاں ہم کو اس کی خوشی ہے کہ تعزیہ داروں کو آپ نے مومن تو سمجھا اور تعزیہ برداری سے اُن کا ایمان خراب ہونا آپ کو اچھا معلوم نہیں ہوا تو اب ایمان سے کہہ دیجئے کہ دوران سال میں ایمان کی تلقین کے واسطے آپ نے کتنی نظمیں لکھی ہیں اور اس کی سرخی کیا ہے۔ اب آپ خاموش ہو جائیں گے کیونکہ آپکو تو صرف تعزیہ سے عداوت ہے سال بھر انسان جو چاہے کرے بس تعزیہ نہ بنائے آپ خوش اور آپ کے اسلاف کی روح شاد کیونکہ تعزیہ کا فلسفہ آپ کی امیدوں پر پانی پھیر دیتا ہے اور بنی امیہ کی ساری کوششیں رائگاں اور یزید اور اس کے امثال کے کردار نا سزا کی کافی تشہیر ہو جاتی ہے۔ آپ کو صرف اس قدر ناگوار ہے ورنہ آپ کو کیا جو چاہے دنیا کرے آپ بلا سے۔ چوتھا شعر خاص طور پر داد طلب ہے۔ ابو الاسرار کا راز درون سینہ کھل گیا۔ یہ جہل کے سرداروں کا ماتم دار بنا اور ان کے تعزیہ داروں اور تعزیہ برداروں کا ماتم کرنے پر آمادہ ہی نظر نہیں آتے اس پر مصر ہیں کہ ایسا کیوں نہ کیا جائے۔ مسلمانوں کی ایک جماعت جب جوانان جنت کے سردار کی ماتم دار۔ تعزیہ دار اور اصطلاحی تعزیہ بردار ہے تو ابو الاسرار جہل کے سرداروں کا ماتم کریں۔ کریں اور ضرور کریں۔ آج جہل کے سرداروں کا ماتم کریں کل اگر خدا توفیق دے گا جس کی دعا کرتے رہیے تو جہالت جب وقت دور ہو گی سردار جوانان جنت کے بھی ماتم دار اور عزادار بن جائیں گے۔

ابو الاسرار کو علامہ شاہ عبد العزیز کے حوالے کئی دیتے ہیں ممکن ہے ان کے بیان سے ان کا جہل دور ہو جائے اگر اس نسخہ سے مرض جہل دور نہ ہو سکا تو پھر کوئی دوسرا نسخہ تجویز کیا جائے گا۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ شہادت حضرت سید الشہدا علیہ السلام کا اعلان قدرت نے اس صورت سے فرمایا۔ "وہتفت الھواتف بالمراثی ونوح الجن وبکائہم" ہاتف غیبی نے مرثیے پڑھے اور جنوں نے نوحہ و بکا کیا صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یہ انتظام اس غرض سے کیا گیا۔ بل بابقاء البکاء والحزن المستمر وتذکر تلک الوقایعۃ الھائلہ فی امتہ الی یوم القیامۃ" بلکہ بکا اور حزن مستمر کے باقی رہنے کا انتظام خالق کائنات کی جانب سے ہوا ہے اور ان واقعات ہائلہ کا تذکرامت حضرت ختمی مرتبت میں قیامت تک باقی رہنے کا پابند وابستہ کیا گیا ہے (سر الشہادتین) جہل کا ماتم دار ابو الاسرار سنیں اُن کو مبارک ہم تو اُس کے ماتم دار ہیں جس کے نوحہ خواں جن و ملک وحوش و طیور بلکہ جس کے غم سے متاثر کائنات کا ہر ذرہ ہے۔

پانچواں شعر اس سے بھی زیادہ پُر معنے ہے۔ فرماتے ہیں۔ اپنے اسلاف کے اطوار بدل ڈالے ہیں' یہ کس نے تعزیہ داروں' ماتم داروں اور علمبرداروں نے۔ ذرا ان کے اسلاف کی فہرست تو شائع کر دیجئے اور اُن کے اطوار پر روشنی ڈال دیجئے جہل ہی کی سہی۔ پھر خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھئے۔ آپ ایسا کبھی نہ کریں گے نہ آپ کے امکان میں ہے کہ ایسا کریں۔ ہم سے سنئے یہ غریب تعزیہ دار' ماتم دار' اپنے رسولؐ کی پیروی کرتے ہیں خدا کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور آپ کی جہالت پر ضرب کاری لگاتے ہیں اسی سر الشہادتین میں حضرت علامہ شاہ عبد العزیز صاحب نے دو روایتیں ایک حضرت ام سلمہؓ اور ایک حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے کہ دونوں نے خواب میں آنحضرتؐ کو دیکھا "اشعث اغبر وبیدہ قارورۃ وفیہ دم" بال بکھرے ہوئے۔ چہرہ غبار آلود۔ دست مبارک میں خون سے لبریز ایک شیشہ تھا۔ دریافت کرنے پر فرمایا "یہ خون حسین اور اُس کے رفقا کا ہے میں ابھی مقتل حسین سے آرہا ہوں" یہ واقعہ عاشورہ محرم ۶۱ھ بعد دوپہر کا ہے۔ یعنی شیشہ کا تعزیہ بن گیا اور اس کے اٹھانے والے سرور کائناتؐ اور خود ماتم دار بلکہ ام المومنین ام سلمہؓ اور حضرت ابن عباسؓ اس سے متاثر اور گریہ کناں۔ بس اب تو جہالت سے توبہ کر لو اور تعزیہ کی مخالفت سے باز آؤ ورنہ پھر شفاعت کے امیدوار نہ رہنا چھٹا شعر بھی مہمل اور بے معنے صرف لفاظی ہے اور اس لئے ہے کہ بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا۔ باقی باقی۔

خاکسار (چیف ایڈیٹر)

حسین ہر قوم کی پیشوائی کے قابل ہیں

(از خامۂ حقیقت رقم حضرت علامہ ہندی مدظلہ العالی)

دنیا آزاد و خود مختار ہے جس کو چاہے پیشوائی کے لئے منتخب کرے۔ ہم کو مداخلت کا کیا حق ہے لیکن صحیح فیصلہ تو اسی وقت ہو سکتا ہے جب یہ معلوم ہو جائے کہ انھوں نے جو فلسفۂ زندگی بنایا ہے وہ تمام انسانوں کی زندگی پر مکمل طور سے اثر انداز ہے اور انسان کی بے چین روح کو تسلی و اطمینان دلانے کے قابل ہے اس میں انسانی دبے ہوئے جذبات ابھارنے کی پوری قوت ہے۔ تمام انسانوں کو وہ یکساں طاقتور بناتا ہے۔ تہذیب و شرافت ہر انسان میں پیدا کرنے کی اس میں صلاحیت ہے۔ انسان کو ہر کمزوری سے بچا سکتا ہے۔ ہر موقع و محل پر ہمیشہ اس کی تعلیم انسان کو مدد دے سکتی ہے وہ حقیر شکایات کے مٹانے اور وسیع النظری پیدا کرنے میں معین ہو۔ صبر و استقلال ایثار و قربانی کی تعلیم دے

دیکھو امام حسین نے یزیدی بہیمانہ مطالبات کو ٹھکرا کر اقوام عالم کو جو سبق دیا وہ غیر فانی ہے یا نہیں۔ فلسفۂ شہادت امام حسین پر اگر غور سے نظر کروگے تو تم کو زندگی کے ہر شعبہ میں مدد ملے گی۔

جن لوگوں نے اس فلسفہ کو سمجھا وہ بیشک حسینی رنگ میں رنگ گئے۔ کربلا کے بوڑھے، بچے، جوان آزاد و غلام عورتیں تک حسینی سیرت اختیار کر لینے کے بعد مظہر ذات حسینی بن گئے ہیں۔ جو دوست دشمن سب سے برابر کا خراج تحسین آج تک وصول کر رہے ہیں اور ہر ایک کی عملی زندگی آنے والی نسلوں کے لئے سرچشمۂ ہدایت ہو گئی۔ امام کی عملی زندگی نے انسان کے مردہ جذبات میں زندگی کی لہر دوڑا دی ہے۔

(۱) اموی قید خانوں کے دروازے توڑ توڑ کر قیدیوں نے حریت و آزادی حاصل کرنے کے لئے اموی تخت و تاج الٹ دیا جس کی ابتدا سلیمان و مختار نے کی اور ہمیشہ جب اس بھولے ہوئے سبق کو دنیا یاد کرے گی کیسی ضعیف و کمزور ہو اپنی عملی طاقت سے وہ کایا پلٹ دے گی۔

(۲) جو ادیب و شاعر جنگ و پیکار ظلم و استبداد پر قصیدہ خواں تھے اور ادبیت کا انحصار خونخواری کی مدح پر ہو گیا تھا۔ شہادت حسین نے انسانوں کی ذہنیت بدل کر مظلومیت و بیکسی کی مدح شروع کرا دی اور نوحہ و مرثیہ جان ادب بن گیا۔

(۳) ظالم و جبار اپنے تشدد پر فخر و مباہات کرتے اور خدائی اختیارات کا خود کو مالک سمجھتے تھے اور کسی ظلم و استبداد پر شرمندہ نہ ہوتے۔ لیکن آج وہی ظالم ظلم کی سو تاویلیں کرتے اور مظلومانہ معصومانہ لہجہ

میں اپنے مظالم کو حق بجانب ہونے کو پیش کرتے ہیں اور ظالم کہے جانے کو گوارا نہیں کرتے۔

(۴) قانون سیاست میں رعایا کی کوئی آواز نہ تھی، صرف آمریت و حکومت کو خدائی اختیار سمجھتے تھے۔ شہادت امام حسین کے بعد مردہ دل رعایا کو زندگی ملی۔ اب حکومت مجبور ہے کہ ایسے قوانین بنائے جس سے رائے عامہ کو موافق رکھے۔ اور ہر خونخواری کو قومی مطالبے کے نام سے پیش کرے۔ نفسیاتی تغیرات کی کھلی مثالیں ہیں غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ ظالمانہ کارروائیوں میں بھی مظلومیت فتح مندی کا کار فرما ہے اور ظلم و تشدد کی وہ مطلق العنانی کی شکست کا اعتراف ہے جو حسینی مظلومیت کا صدقہ ہے۔ دیکھ لو آج بھی حسینی پیغام مظلومیت کے ہندوستان میں محرم کے زمانے میں لوگ پیک بنتے ہیں جن کو احمق قاصد صغریٰ کا نام دے کر بے اعتنائی برتتے ہیں، بڑے بڑے راجہ مہاراجہ والیان ملک نہایت خلوص سے حسینی فقیر بن کر مطلق العنانہ سرمایہ داری سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور اس بہانہ سے امام کا سقہ بن کر عقیدت و محبت کا اعلان کرتے ہیں جن کو بیفکرے مصلحین نظر انداز کرتے ہوئے بے اعتنائی برتتے اور اس تنظیم سے کوئی اخلاقی فائدہ نہیں اٹھاتے۔ نہ اس حسینیت کے لگاؤ کی قدر و عزت کرتے ہیں۔

(۵) پیشوا کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ قوم کی جہالت دور کرے جو آزادی و حریت و ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ امام نے کربلا کے میدان میں چند گھنٹوں میں اخلاقی، تمدنی و سیاسی مذہبی و معاشرتی وہ سبق دئے جس سے جاہل عربوں کی آنکھیں کھل گئیں اور اقوام عالم کے لئے ہر شعبۂ زندگی کا راستہ بنا دیا۔

(۶) خدا کا پرستار اپنی موت و زندگی کو خدائی مرضی پر ڈھال چکا تھا اور پکار پکار کر بتا رہا تھا کہ اس کی قربانی محض خدا کے لئے ہے اس کے سوا کوئی جذبہ قربانی میں ہونا غلط ہے اور وہ قربانی کیے جانے کی مستحق نہیں جو خدائی راہ پر نہ ہو۔ دشمن کا تیر آنے پر بسم اللہ و باللہ و علیٰ ملۃ رسول اللہ کے نعرے مارتے تھے (خدا کے نام اور خدا ہی کے لئے اور دین رسول کی حفاظت کے لئے دشمن کا یہ تیر قبول کرتا ہوں) عاشور کی تمام رات عبادت خدا میں بسر کرتے ہیں ظہر کی نماز دشمن کے تیروں کی بوچھار میں اور عصر کی نماز زیر خنجر شمر ادا کر کے قیامت تک کے واسطے خدائی راز و نیاز کے سبق پڑھاتے ہیں۔

(۷) خدمت خلق انسانی محبت و اخلاق کا محیر العقول سبق پڑھاتے ہیں جس کو قیامت تک تاریخ نہیں بھلا سکتی "گوتم رشی" عام حیوانوں کی جان بچانے کے واسطے ایک بے زبان جانور کے عوض اپنی گردن کٹانے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ اور اس بے آب و گیاہ جنگل میں حسین اپنی اور اپنے اعزا و اقربا بال

بچوں کی پیاس سے مرجانے کی پروا نہ کرتے ہوئے دشمن کی فوج اور گھوڑوں کی پیاس کی شدت سے زبانیں نکلی ہوئی نہ دیکھ سکے اور سب پانی پلا دیا۔

(۸) یزید کی ٹڈی دل فوج پر ٹوٹ پڑنے کے لئے حسینی جاں نثار بپھرے ہوئے ہیں لیکن حسین ساتھیوں کے مشتعل جذبات پر اس طرح سے قابو یافتہ ہوتے ہیں کہ جب تک دشمن پیش قدمی نہ کرے ہماری طرف سے آغاز جنگ نہ ہوا مظلومیت وحق دفاع کو حاصل کئے ہوئے رسولی جنگوں کی تشریح و توضیح فرماتے ہوئے انسانی معاشرت کو ٹھیرز در سبق دے رہے ہیں کہ معاشرتی انسانی زندگی جنگ و پیکار سے حیوانی زندگی بن جاتی ہے۔

(۹) اقتصادی مشکلوں کے حل کا بہترین سبق امام حسین نے یہ بتایا کہ انسان میں قوت برداشت تحمل و صبر بڑھ جائے اور دنیاوی نعمتوں کے فانی در زوال پذیر بے حقیقت و کم قیمتی سمجھ میں آجائے دنیا جن چیزوں کو نعمت سمجھے ہوئے ہے اور جس کے لئے مٹنے پر اور ہر ذلت اور کمینہ پن پر تلی ہوئی ہے اور اسی کو زندگی کا حاصل سمجھتی ہے اس کو روحانی اور عملی قوت سے بے حقیقت و بے قیمت بنا دے جیسا کہ حسین نے کربلا کے میدان میں تمام مادی طاقتوں کو ٹھکرا دیا۔ اور خود دکھا دیا۔

(۱۰) بین الاقوامی مساوات و برادری کا رنگ اور چھوت چھات اور ذات پات کی تفریق کو امام حسین نے اس طرح سے مٹایا کہ جناب فضہ کنیز کو اسی عزت و احترام سے وقت آخر رخصت کیا جس طرح سے اپنی بہنوں، بھاوجوں کو رخصت فرمایا۔ غلام حبشی کا بوقت آخر سر اسی طرح سے زانو پر رکھا جیسا نوجوان فرزند علی اکبر و جناب عباس کا سر زانوں پر لیا۔ ایک ہی قبر میں پہلو بہ پہلو آزاد و غلام سب دفن ہوئے اور بلا امتیاز سب زیارت گاہ اسلام ہیں۔ قوم و قبیلہ و غلام و آزاد کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔

(۱۱) کیا کہنا حسینی سیاست کا جس کی ہر گتھی کو اپنی قربانی سے سلجھا دیا۔ سیاسی اوزار و آلات ہمیشہ یہی رہے ہیں۔ جھوٹا پروپیگنڈا قوت و عسکریت کے مظاہرے مال و زر کی بارش رشوتیں جاگیریں، مکاری و حیلہ بازی، دھوکہ دہی، چاپلوسی و خوشامد و ملکی و معاشرتی و مجلسی زندگی میں شریک کر لینا۔ سیاسین عالم کی یہی وہ چالیں تھیں جو ہمیشہ جاہل قوم سے چلی جاتی ہیں اور رعایا کی جان عزیز کو قربانی کی چتا پر جھونکا جاتا ہے۔ یوں کھیل عرب کی حکومتیں کھیل رہی تھیں۔ اسلام کی صحیح تاریخیں بتاتی ہیں کہ عرب میں بنی ہاشم و قریش کا وہ سلسلۂ نسب تھا جس کی سرداری جملہ قبائل عرب کو تسلیم تھی۔ امیہ وغیرہ کو اس سلسلہ نجیب سے کوئی تعلق نہ تھا۔ مستند تاریخیں اور نسب نامے شاہد ہیں۔ مذکورہ قبائل نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر قریش،

سلسلہ میں خود کو شامل کیا جس سے بنی ہاشم ہمیشہ انکار کرتے رہے یہ سب اس لئے ہوا کہ ان منصبوں کا خود کو بھی حقدار قرار دیں جو بنی ہاشم سے مخصوص ہے خلافت رسول پر بھی اسی زور و قوت کی بنا پر قابض ہوئے اس کے بعد نہایت چالاکی سے علی و آل علی کو جو رسول خدا کے واقعی اور حقیقی رشتہ دار تھے اقوام عرب سے بیگانہ بنا کر ایسا دھوکا دیا کہ وہ علی و آل علی سے اجنبی ہو کر انہیں چالبازوں کو رسول کا قریبی رشتہ دار سمجھنے لگے۔ مستند تاریخوں کی کثیر شہادتوں میں سے ایک شہادت یہ ہے کہ ایک شامی گروہ علی کی بابت گفتگو کر رہا تھا اپنے اپنے خیالات کا اظہار ہو رہا تھا۔ سامنے سے ایک بوڑھا شامی نمودار ہوا سب نے اس کو بلا کر علی کی شخصیت کی بابت سوال کیا۔ بوڑھے نے کہا میں علی سے خوب واقف ہوں۔ علی فاطمہ کا باپ عائشہ کا بیٹا تھا۔ مکہ کے اونٹ چرا کر مدینے میں بیچتا تھا۔ رسول کے ساتھ جنگ احد میں مارا گیا (مروج الذہب مسعودی) خاندان رسالت کی شخصیت کو نومسلموں میں اس طرح مٹایا جا رہا تھا صرف اس لئے کہ قانونی وراثت عرب کی بنا پر علی و آل علی کو بے حق کر دیں اور رسول کے وارث بن جائیں۔ اس جھوٹے پروپیگنڈے کی بدولت بے تعلق لوگ رسول کے قرابت دار اور وارث بن کر سالہا سال علی و آل علی کو منبروں پر مسجدوں میں گالیاں دینا فرض سمجھتے تھے۔ قتل حضرت عثمان کا سازشی الزام علی و آل علی پر رکھ کر جاہل عربوں کو مشتعل کیا گیا اور دشمنان آل رسول و دین رسول کے واسطے خزانے کے منہ کھول دئے۔ زرپاشیوں سے مالا مال کر دیا (دیکھو ہماری کتاب تاریخ کا خونی ورق) اور علی و آل علی کو افلاس و ناداری و فاقہ کشی میں مبتلا کیا۔

فوج اور اسلحہ کی قوت کا کیا پوچھنا جس کا مقابلہ قیصر و کسریٰ کے بس سے باہر ہو گیا تھا۔ اب اس خلفشار و پیچیدہ سیاست میں امام حسین کی بیش بہا و لاجواب سیاست یہ تھی کہ عربی سیاست کے جملہ اسلحہ کو بیکار کر دیں اور تمام سیاستوں اور قوتوں کے قلعے ڈھا دیں جو حسین نے کربلا کے میدان میں تین روز کی بھوک پیاس میں سوکھے گلے کٹوا کر جما گھٹنوں میں دشمنوں کی سیاست کا تار و پود بکھیر دیا۔ اور عالم بھر کو سبق دیا کہ جب کوئی قوم ایسے دور سے گزرے جس دور سے حسین کو گزرنا پڑا اس کو چاہئے کہ حسینی سبق کو دہرا دے حسین بیشک اسلام کے حقیقی پیشوا تھے اور اُن میں پوری قابلیت تھی کہ ہر قوم کے پیشوا اپنائے جائیں۔

(۱۲) امام حسین نے بتایا کہ اگر قومی افلاس مٹانا چاہتے ہو تو لوٹ مار چھوڑ کر لٹیروں غاصب حکومتوں کو اپنی سچی قربانی سے بے دخل کرو اور قومی ناداروں کو خودداری اور امن و سکون کی زندگی میں خود اختیاری کا سبق سکھاؤ اور مزدوری سے بہرہ مند ہونے دو جن کی کمائی ملوکیتوں کی عیش پرستیوں سے لٹتی رہی ہے۔

(۱۳) قومی تنظیم کے واسطے بتایا کہ حسین کی طرح قوم کا دماغی توازن اور فکری یکسوئی کو ایک مرکز پر جمع

کر دو جو کہ بلا تشدد و بلا تحکم ہو۔

(۱۴) اگر قومی زندگی چاہتے ہو تو امام حسین کی تعلیم کو سمجھو۔ امام حسین بے اصولی زندگی کے ساتھ کچھ دنوں تک زندہ رہنا اس کو زندگی نہ سمجھتے تھے بلکہ ان کی نظر میں اپنا مٹنا اور اصول کا زندہ رہنا حقیقی اور دائمی زندگی تھی جس اصول کی بقا سے قوموں اور نسلوں کی زندگی اور بقا ہوتی ہے۔

(۱۵) اگر قومی عزت و وقار چاہتے ہو تو امام حسین سے عزت و وقار سیکھو جس نے ہر دنیاوی عزت پر لات مار کر انسانیت کے تمام عزت و شرف کو حاصل کیا اور دنیا کو ایسا ذلیل کیا جس کی نظیر نہ ملے گی۔

(۱۶) اصلاح معاشرت چاہتے ہو تو حسینیت سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ مذہب کے نام پر اصلاح غیر مذاہب و لامذہبیوں سے تصادم کا باعث ہوگا۔ قوانین ملکی، جمہوریت، شیطانیت و نازیت اشتراکیت کمیونزم انارکزم ہر ایک میں کشمکش حیات و تصادم ناگزیر ہے اور یہ نئی چیزیں نہیں ہیں تاریخیں دیکھو۔ صدیوں تجربہ کے بعد بیکار و مضر ثابت ہو چکی ہیں۔ امام حسین نے مظلومیت کا وہ سبق پڑھایا ہے جو دنیا کے ساتھ ساتھ آئی اور قیام دنیا تک قائم رہے گی۔ لہٰذا اپنے معاشرتی شعبہ کو اگر مظلومیت پر ڈھال لو گے تو سمجھ لو کہ دنیا میں ہر تصادم سے محفوظ ہو۔ یہی مختصر چند چیزیں ہیں جو اقوام عالم کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں اور کسی مذہب سے تصادم نہیں کرتیں۔

(۲)

امام حسین کی مذہبی شخصیت

مذہب میں بزرگ شخصیت کا وہی مالک ہو سکتا ہے جو خود بانی و مبلغ ہو یا اس کا شریک کار و جزو اعظم ہو یا تحفظ اس دین کا اس کی ذات پر منحصر ہو اور حفاظت دین میں خود کو مٹا دے۔ سب سے بڑی شخصیت بانی اور مبلغ مذہب کی ہے اس کے بعد کا درجہ ان لوگوں کا ہے جو شریک کار و نائب قائم مقام و حافظ و سرپرست اس دین کے ہوں بحسب مدارج ان کی عزت و شرف و بزرگی دونوں میں فرق ہوگا۔ اور اس کا صحیح معیار اس کی سیرت اور زندگی کے ہر شعبے کے واقعات میں مذہب اسلام چونکہ محض انسان کو سدھارنے کی غرض سے آیا تھا تو بے لاگ فیصلہ بزرگی کا اسی شخصیت کے حق میں کیا جا سکتا ہے جس نے تمام افراد انسانی میں سب سے بڑھ چڑھ کر انسانی خدمت کی ہو اور وہی انسان کامل کہے جانے کا مستحق ہوگا اور چونکہ ہر مذہب کا یہی دعویٰ ہے کہ وہ اصلاح حال نفوس کے واسطے آیا ہے اور یہ غرض تمام مذاہب میں مشترک ہے لہٰذا مخصوص [illegible] اس نقطہ نظر سے اسی ذات بزرگ کو دیکھنا ہوگا کہ ہر قوم ہر مذہب اور جملہ بنی نوع انسان کی اصلاح و خدمت و [illegible] سدھار کے واسطے دنیا میں کیا کر سکا۔ اور عام انسانیت کو کیا فائدہ پہنچا سکا اس لئے ہمارا [illegible]

اسلام کا ہے اور نہ کسی خاص مذہب کا بلکہ وہ عام انسانیت کا ہیرو ہے اور اس کی بزرگ شخصیت مذاہب عالم سے۔ اپنی پیروی کی اپیل کرتی ہے اور حسین کو اسی نقطۂ نظر سے دیکھنا ہوگا کہ اس خدا کے برگزیدہ بندے نے اس کی مخلوق کی وہ اہم خدمت کی جس کی مثال تاریخ عالم میں نہ ملے گی۔ اب ہم مختصراً امام حسین کی مذہبی شخصیت کو مذکورہ نقطۂ نظر سے پیش کرتے ہیں۔ عالم میں وہ کون مسلمان ہے جو امام حسین ...... کی تقدس و بزرگ ہستی کا انکار کر سکے۔ وہ برگزیدہ خدا کا بندہ جس کو رسول کاندھوں پر چڑھاوے (عبدالرزاق بن شاہین طبرانی) جو سجدوں میں پشت پر سوار ہوتا اور رسول اس وقت تک سر سجدہ سے نہ اٹھاتا جب تک حسین خود سے پشت سے نہ اترتے (امام احمد بن حنبل طبرانی ابن سعد) رسول اپنی زبان حسین کو چوساتے رہتے اور خود حسین کی زبان چوستے (ابن سعد) حسین کے سوا اگر عالم میں کوئی دوسری ایسی ہستی ہو تو بتاؤ۔ حسین وہ ذات ہے جس کی بزرگی میں ہر وقت رسول رطب اللسان رہتے تھے۔ کبھی فرماتے تھے حسن و حسین سردار جوانان اہل جنت ہیں (احمد ترمذی) کبھی فرماتے حسین مجھ سے اور میں حسین سے ہوں (طبرانی، بیہقی) کبھی فرماتے خدا وندا حسن حسین کے دوست کو دوست رکھ اور دشمن کو دشمن رکھ (ترمذی، حاکم) کبھی فرماتے حسن و حسین کا دوست میرا دوست اور ان دونوں کا دشمن میرا دشمن ہے (ابن ماجہ) کبھی فرماتے حسن حسین اور ان کی اولاد کی تعظیم کیا کرو (ابن عساکر) کبھی فرماتے جس نے میرے اہلبیت کو ایذا دی اس نے خدا کو ایذا دی (حافظ ابو نعیم) کبھی فرماتے جس نے ہم اہلبیت سے ...... دشمنی کی وہ جہنمی ہے (حاکم) ہزاروں میں یہ چند رسول کی حدیثیں ہیں۔ خدا نے بھی قرآن مجید میں آیہ مودت میں عترت رسول کی محبت کو اجر رسالت قرار دیا ہے اور آیہ تطہیر نازل فرما کر علی و فاطمہ و حسن و حسین کی پاکی و تقدیس کی ہے جس پر آئمہ حدیث و تفاسیر کا اتفاق و اجماع ہے۔ آل رسول کا یہ شرف و فضل اس عقلی قدر دانی کی وجہ سے ہے جس کے اہلبیت رسول مستحق تھے (نعوذ باللہ) حیوانی و خوش اعتقادی محبت نہیں ہے۔ تاریخوں اور ان کی سیرتوں کی کتابوں میں آن حضرت کے علمی و عملی حالات کو دیکھو اور ان کے ان خدمات کو دیکھو جو حفظ دین اور انسانیت سدھار میں کی تھیں جس سے کہنا پڑے گا کہ یہ فخر انسانیت تھے اور اس قابل تھے کہ انسانیت کا سرتاج بنیں (باقی آئندہ)

نوٹ: باوجود سخت ناسازی مزاج حضرت قبلہ ... مدظلہ العالی نے گذشتہ ۳ ماہ کے عرصہ میں ملک کے مختلف حصوں میں گردش کی اور اپنے تبلیغی مواعظ سے جو اثر خاص و عام پر پیدا کیا وہ انشاءاللہ موصوف کی ڈائری کے خلاصہ سے آئندہ اشاعت میں پیش کیا جائیگا۔ ناظرین انتظار فرمائیں عنقریب جناب مولانا کی ۳۰ سالہ تبلیغی خدمات کتابی صورت میں پیش ہونے والی ہیں۔ (ایڈیٹر)

حضرت امام حسینؑ اور محرم

(از مسٹر علی محتشم متعلم بی اے فائنل۔ دہلی)

اسلامی سال محرم کے مہینہ سے شروع ہوتا ہے۔ اب سے ۱۳۰۳ سال قبل اس مہینہ کی دسویں تاریخ کو کربلا کے میدان میں وہ درد انگیز واقعہ رونما ہوا تھا جس کی یاد ہر سال نہ صرف مسلمان بلکہ دیگر مذاہب کے لوگ بھی اپنے اپنے طریقہ سے مناتے ہیں۔ مظلوم سے ہمدردی اور ظالم سے نفرت کرنا انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور پھر جب دنیا والوں کو یہ معلوم ہو کہ مظلوم قطعاً حق پر تھا اور اس نے یہ تمام مظالم اپنے ذاتی فائدہ کے لئے نہیں برداشت کئے بلکہ اس پر یہ تمام ظلم و ستم اس لئے ڈھائے گئے کہ وہ انسانوں کا بھی خواہ تھا۔ نیکی اور سچائی کی تعلیم دیتا تھا تب انسانی شرافت کا یہ تقاضا ہونا چاہئے کہ وہ اپنے اس محسن کی اور اس کے اصول کی دل سے عزت کرے اور اس کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی کوشش کرے خواہ وہ کسی مذہب سے مخصوص ہو۔ کسی سرزمین کا باشندہ ہو۔ اور کسی زمانہ میں اس نے یہ خدمات انجام دئے ہوں۔

اگر ہم حضرت امام حسینؑ کی زندگی پر غور کریں اور ان کے قول و عمل کو انسانی شرافت کے اعلیٰ اصول پر جانچیں کریں تو یقیناً حضرت جوش ملیح آبادی کے الفاظ میں ہم حضرت امام حسینؑ کو انسانیت کا سب سے بڑا محسن تسلیم کریں گے۔

کیا صرف مسلمانوں کے پیارے ہیں حسین　　چرخ نوع بشر کے تارے ہیں حسین
انسان کو بیدار تو ہو لینے دو　　ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسین

اس میں شک نہیں کہ حسینؑ مسلمانوں کے محترم رسول جناب محمد مصطفےٰ کے پیارے نواسے تھے جن کے مرتبہ اور شان کا رسول خدا نے بار بار اظہار فرمایا اور ان کی محبت کا حکم دیا۔ حسینؑ شیعہ مذہب میں تیسرے (امام) ہیں لیکن دوسرے مذہب والوں کے لئے بھی آزادی کے علمبردار، سچائی کا پتلا اور نیکی کا مجسمہ ہیں۔ ریاست گوالیار کا محرم اور ہندو اور عیسائی مفکرین مشرق و مغرب نے حسینؑ کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ اس کی دلیل ہیں کہ حسینؑ کا کارنامہ مذاہب، ملک اور رنگ روپ کے فرق و امتیاز سے کہیں بلند ہے۔

حسینی مشن کو کسی ایک گروہ، مذہب یا ملک سے مخصوص کر دینا حسینی مشن کے نتائج نا واقفیت اور ہماری عدم واقفیت کا ثبوت ہوگا۔ حسینؑ کا پیغام کرہ ارض کے تمام بسنے والوں کے لئے ایک ہے

کہ "حق اور باطل میں تمیز کرو" "عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے" "صرف ایک خدا سے ڈرو اور اسی کی پوجا کرو" "مال وزر اور حکومت کی پرستش حرام اور سخت گناہ ہے" "وقت اگر تم سے قربانی کا مطالبہ کرے تو تم اسے بخوشی پیش کرو" "مظلوموں سے ہمدردی اور غریبوں سے محبت کرو" "تمہاری زندگی کا مقصد خلق خدا کی خدمت ہو" "آپس کے نفاق کو مٹا دو اور سب کی بھلائی کے کوشاں رہو" "انسانیت کے بلند معیاروں پر عمل کرو" اور صحیح معنوں میں اپنے آپ کو انسان کہلائے جانے کا مستحق بناؤ"

انقلاب روزگار کو کیا کہئے کہ یزید جیسا فاسق وفاجر شخص مسلمانوں کا خلیفہ بن بیٹھا۔ وہ اسلامی جمہوریت، انسانی آزادی، اور اخوت کا جانی دشمن تھا۔ ظلم وستم اُس کا شعار تھا۔ جابرانہ شخصی حکومت کا خواہاں تھا۔ اختیارات اور قوت کا بیجا استعمال کرنا اُس کی عادت تھی۔ کہنے کو وہ مسلمان تھا دراصل اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ وہ ظاہر میں انسان تھا لیکن اصل میں انسانیت سے کوسوں دور تھا۔ اور اُس کی ذات تمام ممکن برائیوں کا مجموعہ تھی۔ عیش وعشرت کا دلدادہ ظالموں کا دوست اور مظلوموں کا دشمن تھا۔

اب وقت ایسا آگیا تھا کہ کھلم کھلا کفر والحاد مسند خلافت سے اسلام کو چیلنج دے رہے تھے۔ حکومت کے ایوانوں میں رسول عربی کی عملی تعلیم کو بھلایا جا رہا تھا۔ مال وزر انسانی شرافت کا معیار بن گیا تھا حق پرستوں کے لئے عرصہ حیات تنگ تھا۔ امیر مال مست تھے اور غریبوں کی کون سنتا۔

حضرت رسولؐ نے جن خرابیوں کے خلاف جہاد کیا تھا انہیں برائیوں کو یزیدی حکومت مستحکم کر رہی تھی۔ خدا کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے مال ودولت کے مالک یزید کو رسول کا صحیح جانشین تسلیم کرنے پر مجبور کئے جا رہے تھے۔ ایمان اور سچائی کے اصول مٹائے جا رہے تھے۔ اندیشہ ہوتا تھا کہ حضرت رسول خدا کی تمام کوششیں برباد ہو جائے گی۔ اسلامیت مٹ جائے گی اور یزیدیت کا رواج ہو کر رہے گا۔

خدا کے برگزیدہ بندے اور مایۂ ناز بشریت حسینؑ نے وقت کے مطالبہ پر لبیک کہا اور خدا کی راہ اور خدا کی مخلوق کی بھلائی میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ حکومت اور دولت کے نشہ میں سرشار یزید نے حسین سے بھی بیعت طلب کی۔ یزید سب مسلمانوں کا بادشاہ بننے کا مدعی نہ تھا بلکہ وہ اپنے آپ کو امیرالمومنین اور خلیفۃ المسلمین تسلیم کرنے پر دنیا کو مجبور کر رہا تھا۔ دنیائے اسلام کی نگاہیں اُس وقت حسین کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ آیا وہ ایسے نازک وقت میں مسلمانوں کی دستگیری کرے گا اور اسلام کو نہیں بلکہ انسانیت کو بدنام ہونے سے بچالے گا یا اسے بھی حکومت اور دولت مرعوب کر لے گی۔

تاریخ شاہد ہے کہ حسین نے باطل کے خلاف حق و صداقت کی راہ میں اتنی بڑی قربانی کی جو انسانیت کے لیے باعث فخر ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ یہ دو بادشاہوں کی جنگ نہ تھی بلکہ حق اور ناحق کی جنگ تھی خدا کے ماننے والوں اور سیم وزر کو اپنا خدا جاننے والوں کا مقابلہ تھا۔

حسین کسی سیاسی حق کے طلبگار نہ تھے۔ حکومت کے خواہاں نہ تھے۔ اُن کی زندگی اور واقعہ کربلا کی تاریخ کا ہر ہر پہلو گواہی دے رہا ہے۔

حقیقی فتح حسینیت کو ہوئی۔ حسین آسمان انسانیت کا درخشندہ آفتاب بن کر چمکے اور یزید کفر کی تحت الثریٰ میں ہمیشہ کے لئے روپوش ہوگیا۔

آج یزید کی حکومت کا پتہ بھی نہیں ہے اور ہر با فہم انسان یزیدیت سے نفرت کرتا ہے اور حسینیت کا دلدادہ ہے حسین کی حکومت انسانوں کے دلوں پر ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ یادگار حسینی کے جلسے جو چند سال سے برابر ہندوستان کے عرض و طول میں ہو رہے ہیں اس کی زندہ مثال ہیں۔ مختلف مذاہب اور مختلف اقوام کے لوگوں نے ان جلسوں میں شرکت کی اور اپنے خلوص و عقیدت کے پھول حسین مظلوم کی خدمت میں پیش کئے۔ اور حق یہ ہے کہ دنیا نے فرض شناسی کا اعلیٰ ثبوت دیا۔

لیکن اے دنیا کے بسنے والو! حسینؑ کی قربانی کا مقصد صرف یہی ہے کہ تم حسین کی مظلومیت کی داستان سنکر اظہار ہمدردی کرو اور اپنی عقیدتمندی کے اظہار کو صرف لفظوں تک رکھو۔ حسینؑ کی صدا فضا میں گونج رہی ہے وہ تم سے عمل کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اُن کی قربانی کا اعلیٰ مقصد سمجھو اور اُس کو نمونہ قرار دے کر عمل کرو۔ دنیا میں جبر و استبداد فتح پانے کی کوشش کر رہے ہیں ہمارا فرض ہے کہ ہم ظلم و تعدی کو مٹا کر عدل و انصاف کا قیام کریں۔

آج دنیا جس کشمکش میں ہے اُس سے نجات پانے کا واحد علاج یہی ہے کہ دنیا حسینیت کے قریب ہو جائے۔ حسین سے قوت عمل کا سبق سیکھے۔ قربانی کا درس لے۔ اور اُس محسن انسانیت کی تعلیم سے اپنے کو آشنا کرے اور عمل پیرا ہو۔

کربلا کا سانحہ آج ۱۳ سو سال کے بعد بھی اس قدر تازہ اور ایسا دلدوز ہے جیسا کہ اُس روز تھا جبکہ اس رہبر انسانیت نے جام شہادت نوش کیا تھا۔

آج ۱۳ سو سال کے بعد بھی حضرت امام حسینؑ کی مثال صداقت اور حریت کے لاتعداد متلاشیوں کی رہبری کر رہی ہے۔ امام حسینؑ کی برگزیدہ ہستی واقعات زمانہ کے تمام امتحانات سے گزر کر نیر اعظم سے بھی زیادہ تابانی کے ساتھ باطل پر کبھی فنا نہ ہونے والے فتح و ظفر کے نشان کی طرح موجود ہے۔ ہندوستان کے

ایک مقدس انسان کے الفاظ ہیں:۔

نام گرو حسین کا جانے سب سنسار
سیس کٹا کے جگت میں کیا ہے سب کے پار

معرکۂ کربلا

(از سید شہنشاہ حسین صاحب ناوی حیدرآباد)

نینوا کے تپتے ہوئے صحرا میں ۶۱ھ میں تاریخ کا انتہائی وحشیانہ واقعہ رونما ہوا تھا آل محمدؐ کے خلاف سرمایہ دار دنیا مخالف پروپیگنڈا کرنے سے ابھی تک تھکی نہیں تھی پھر اس کو اختیار کیا گیا تھا اور رفتہ رفتہ عرب کے گوشے گوشے میں ان کی تحریک بری طرح پھیل گئی اور ان کی عداوت روزافزوں ترقی کر رہی تھی یہ تنازع صرف اس لئے جاری کیا گیا تھا کہ حضرت محمد مصطفےٰؐ نے ساری دنیا کو وحدانیت اور انسانیت کا درس دیا تھا اور اس پر قائم رہنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ آنحضرتؐ کی انتھک کوشش دیکھ کر ابوسفیان نے بھی اپنے راگ کو پوری قوت سے الاپنا شروع کر دیا تھا اور اپنی تحریک اور اپنی جدوجہد سے اسلام سے عناد و اختلاف ہمیشہ کے لئے بڑھا رہا تھا۔ توحید سے دائمی جدائی کی اسکیم پر زور لگا رہا تھا اور مخالفانہ پروپیگنڈا کر رہا تھا آنحضرتؐ کے نظریات کی تنقید کرتا تھا اور حضورؐ کی مخالفت میں کسی سے پیچھے نہیں تھا اس کی تحریک چاروں طرف وبا کی طرح پھیل گئی تھی یہ رحم کرنا نہیں جانتا تھا ابوسفیان نے اپنی ہوسناکیوں اور انجام سے بے پرواہ ہو کر مسلمانوں پر اُحد میں حملہ کیا تھا۔ یہ شخص نہایت بیدردی ہوسناکی اور دغا بازی کے ساتھ حملہ کرنے کے لئے آیا جس نے کفار کو ساتھ لیکر رسالت کا تختہ اُلٹ دینا چاہا تھا تحریک کے خلاف خرافات کا انبار لگا تھا وہ تشدد اور آمریت کے قوتی کو زیادہ طاقتور بنا رہا تھا ابوسفیان کا چارہ ساز تھا ابتدا میں اور اس کی بڑھتی ہوئی قوت کو سختی کے ساتھ محمدؐ نے اپنے عہد رسالت میں کچل ڈالا تھا۔

ابوسفیان کو جو شرمناک شکستیں اٹھانی پڑی تھیں وہ اس کے ارادوں کو کچلنے کے لئے کافی تھیں آخر اس نے نہایت چالاکی کے ساتھ اسلام کا ظاہری لباس پہنکر اسلام کو اپنا آلۂ کار بنا لیا تھا فتح مکہ میں اسلام کا نقاب ڈال کر دھوکا دے رہا تھا اور لوگوں کو اس پردے میں اپنا ہم خیال بنانے کی جدوجہد کر رہا تھا اس کی زندگی کا مقصد سوائے تخریب کے اور کچھ نہیں تھا اس کی زندگی کے بعد اس کے مقصد کو

معاویہ اور یزید پورا کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے فتنہ پرداز اور لڑنے والے گروہ کی منقلب ذہنیت کا مقصد صرف حکومت کرنا اور فرزند رسولؐ کا خون بہانا تھا یزیدی حکومت کے تحت اپنی تیاریوں کی رفتار سخت تیز کر دی یزید کا حکم تھا حسینؓ کی زندگی دشوار کر دو ہزاروں قسم کی ایذا رسانیاں دینے کو تیار ہو گئے۔ یزیدی درندے فطرتاً چال باز اور ظالم واقع ہوئے تھے اور جدھر ان کو ہانکا جاے چلے جاتے تھے۔ ان کے پاس ہمدردی قابل نفرت تھی ابن زیاد اور عمر ابن سعد نے حسینؓ کے ساتھ ذرا بھی نرمی یا آسانی روا نہیں رکھی ان لوٹیروں اور ننگوں کو امداد یزید ابن معاویہ دے رہا تھا اس نے اسلام کو انقلاب اور تغیر کے ایک نئے دروازے پر کھڑا کر دیا تھا رسالت کے نظام کی بنیادیں ہلا دی تھیں اور اُن کے اقتدار کو پامال کرنے کے درپئے آزار تھا۔ پیروان محمدؐ کو ایڑیاں رگڑوا رہا تھا اور حسینؓ ابن علیؓ سے اپنی بیعت چاہتا تھا۔ حالات کا تقاضا یہی تھا کہ حسینؓ ابن علیؓ کربلا میں اپنے پاک خون سے اسلام کی اصلاحی تعمیر کریں محمدؐ کا مقصد حسینؓ کے پاس تھا حسینؓ نے محمدؐ کے عمل اور اصول کو پسندیدگی اور تحسین کی نظروں سے دیکھا تھا حسینؓ حریت امن و انسانیت اور اسلام کی بلندیوں کا پیام معرکۂ کربلا میں دے رہے تھے۔ رسالت کے نظام کی بنیادیں حسینؓ نے مضبوط کر دیں حسینؓ کا مطمع نظر نفس حسینؓ وحدت انسانیت کا درس معرکۂ کربلا میں دیا تھا آج بھی دنیا محمدؐ کے پیارے نواسے حسینؓ کے بلند طرز عمل کی توصیف کئے بغیر نہیں رہ سکتی ہے جس نے اسلام کے ڈوبتے ہوئے سفینہ کو پار لگایا اور ظلم کو مٹانے کے لئے حق پر جان نثار کرنے کا سبق دیا سرزمین کربلا پر یزیدی افواج نے حسینؓ کے ساتھ جو سلوک روا رکھا اس کی المناک تاریخ ہے جو دنیا کو عمر بھر آنسو رلاتی رہے گی۔

شہادت حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ

نے

دنیائے انسانیت کو کیا سبق دیا

(از آنریبل مسٹر فضل الحق سابق چیف منسٹر بنگال)

انسان فطرتاً طالب علم واقع ہوا ہے وہ ہر آن ایک منظم کی تلاش میں رہتا ہے۔ تقاضا ے وقت و محل کے اعتبار پر اس کی خواہش میں تغیر پیدا ہوتا ہے۔ وہ اس طلب اور دعی میں کمال کا خواہشمند ہے اس کی طلب اس وقت تک جاری رہتی ہے جب تک اس کا نصب العین یعنی "کمال" حاصل نہ ہو۔

حصول کمال طالب کی استعداد پر ہی منحصر نہیں ہے بلکہ اس میں استاد کامل کی نہیں بلکہ اکمل کی بھی ضرورت ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ استاد یا معلم اکمل موجود ہوتا ہے لیکن متعلم میں استعداد نہیں ہوتی ہو صرف اس منزل پر ٹھہر جاتا ہے جو اس کی سعی کی انتہا ہوتی ہے۔

عام عالم انسانیت بلا کسی تفریق کے وہ مرد ہوں یا عورت، جوان ہو یا کمسن، طاقتور ہوں یا ضعیف اور مسن اپنے تقاضائے فطرت کی بنا پر مرتے دم تک راہ طلب میں گامزن اور اپنے علم میں پیہم اضافہ چاہنے کا خواہشمند نظر آتا ہے۔ یہ کس معلم کی درسگاہ میں زانوئے ادب تہ کرکے بیٹھیں۔ یہ کس استاد سے صرف نظریات ہی نہیں بلکہ عملیات کا درس لیں تاکہ سب کے سب کمال کے درجہ پر پہونچیں اور اطمینان کی زندگی بسر کریں اور جب جام عمر لبریز ہو جائے خوشی خوشی داعی اجل کو لبیک کہیں۔

مجھے اپنی دنیاوی مصروفیتوں اور آلودگیوں نے اتنا موقع نہ دیا کہ میں اس اہم ترین موضوع پر اپنے پاشاں خیالات کا تفصیل کے ساتھ اظہار کرسکوں لیکن موقعہ کو غنیمت جان کر میں اس سلسلہ میں صرف چند سطریں ناظرین اخبار سرفراز کے مطالعہ کے واسطے پیش کرتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ معلم حقیقی تمام انسانوں کو بالعموم اور مسلمانان عالم کو بالخصوص اس محسن انسانیت کی سبق آموز زندگی کا مطالعہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ دنیا انسانی کمالات سے بھر جائے۔ میں مذاہب عالم کے مشاہیر کی مقدس زندگیوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے کامل احترام کے بعد یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہوں، کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر جناب مسیح ابن مریم علیہما السلام تک وہ تمام بزرگ ہستیاں جنھوں نے انسانیت کو زیر بار احسان کیا ہے اور گمراہوں کو صراط مستقیم پر لگایا ہے سب کی سب قابل عزت ہیں لیکن یہ سب بحیثیت مجموعی یا بحیثیت انفرادی باوجود بہترین معلم ہونے کے تمام عالم انسانیت کے واسطے یکساں مفید نہیں ہیں مثلاً حضرت عیسیٰ کمالات کا مجموعہ تھے اخلاق کا مجسمہ تھے اور اپنے زمانہ کے لوگوں میں بہترین ہستی کے مالک تھے لیکن عام طور پر عالم انسانیت کے واسطے ان کی مقدس زندگی سبق آموز نہیں ہوسکتی میں ایک بزرگ کا تذکرہ کرنا نہیں چاہتا اس کے واسطے فرصت کی ضرورت ہے۔ وہ سبق جو انسانیت کو کمال کے درجہ پہونچانے والا ہے صرف اطاعت باری کا سبق ہے اس کے معلم ہر زمانہ میں آئے لیکن بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ سب سے بہتر درسگاہ مکہ میں قائم ہوئی اور جب معلم نے دیکھا کہ اس ادارہ کو وسیع تر کرنے کی ضرورت ہے تو مکہ مشرفہ سے مدینہ منورہ کو منتقل فرما دیا۔

درسگاہ کی وسعت کے ساتھ ساتھ شعبہ جات میں بھی اضافہ ہوا وہی اطاعت باری کا سبق جس کے واسطے ابتدائی درجہ میں "قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا" کہ کوئی معبود نہیں ہے مگر اللہ ہی

میں تمہاری فلاح ہے۔ تک تعلیم کو محدود رکھا تھا رفتہ رفتہ حسب ضرورت و مناسبت موقعہ عام ضروریات زندگی اس سے متعلق ہوگئیں۔ یہی تہذیب اخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدن کی صورت میں پیش کیا گیا۔

اس سے حیات عارضی اور حیات جاودانی کو کامیاب بنانے کا راز دنیا نے سیکھا، مکہ معظمہ میں بھی اگرچہ علاوہ اپنے اصحاب کے اپنے خاص عزیزوں کو تعلیم دینے کا موقع ملا لیکن مدینہ منورہ پہونچ کر اس کام میں اس قدر اور اضافہ ہوگیا کہ بعض ایسی ہستیاں خدا نے پیدا کردیں جن پر انسانیت فخر کرسکتی ہے۔ اگرچہ اصحاب اخیار کے علاوہ ایام مکہ میں دبستان رسالت کا گل سرسبد حضور کا وہ جاں نثار اور فدا کار بھائی تھا جس کا نام حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہے لیکن ایام مدینہ میں اُس جہتم بالشان درسگاہ میں دو ایسے متعلمین کا اضافہ ہوا جن کو اس درسگاہ سے بہتر سے بہتر اساتذہ کی تعلیم کا شرف حاصل ہوا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شاگرد رشید حضرت مولا علیؑ شریک کار اور ہاتھ بٹانے والے تھے۔ عورتوں کے واسطے بھی معلمہ کی ضرورت تھی اُن کے واسطے محنت شاقہ فرما کے اپنی پارہ جگر بی بی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو ایسا کامل بنایا کہ دونوں جہاں کی عورتوں کی سردار ہونے کا شرف اُس شہزادی کو حاصل ہوا۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے موضوع سے جدا نہ ہوں اس لئے پھر اصل مطلب کیطرف رجوع کرتا ہوں۔

وہ دو متعلمین جن کا ابھی ذکر ہوا ہمارے رسول کے نواسے پارہ ہائے جگر، سرور قلب، نورعین حضرت امام حسنؑ اور جناب امام حسینؑ تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ ان دونوں بزرگواروں کو اپنے نانا، ماں اور باپ کی زبانی اور عملی تعلیم سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع ملا اور یقیناً یہی وہ چیز تھی جس کی بنا پر ہم بآسانی اور زور کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ تمام عالم کے معلمین میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ایک نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ انسانیت کے کمال کے واسطے کس شے کی ضرورت تھی؟

یہ وہ سوال ہے جس کا جواب دینا ہر انسان کا فریضہ ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ دنیا نے انسانیت متفقہ طور پر ایک جواب بآسانی دے سکے گی۔ اس لئے میں خود جواب دیتا ہوں۔ کمال انسانیت کا راز کمال فرض شناسی میں مضمر ہے۔ حسینؑ نے اپنے معلموں سے فرض شناسی کا سبق بدرجہ کمال حاصل کیا تھا اور ہم فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ حسینؑ ایسا فرض شناس نظر نہ آئے گا۔ اگر ملے گا تو اس گھر میں ملے گا جس میں پل کر، بڑھ کر، تعلیم حاصل کرکے، عمل سیکھ کر حسینؑ جنت کے جوانوں کا سردار بن گیا۔

فرائض تین قسم کے ہیں۔ ایک کا تعلق ذات شخص سے ہوتا ہے۔ دوسرے کا تعلق دوسرے اشخاص سے اور تیسرے کا تعلق ذات باری سے۔ کربلا کے میدان میں امام عالی مقام نے ہر قسم کی تکلیف برداشت

کر گئے دنیا کو فرض شناسی کا ایسا سبق دیا جو زمانہ کی گردش بھی بھلا نہیں سکتی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان عام طور پر جو کچھ کرتا ہے اپنی ذات کے واسطے اور اسی کو اپنا فرض سمجھ کر ادا کرتا ہے۔ خدا کا بھی کچھ فرض ہے اس کو قریب قریب ہر شخص بھولے بیٹھا ہے دوسروں کے فرض کا تو ذکر ہی کیا۔ آؤ ہم صرف چند منٹ کی حسینؓ کی زندگی کا کربلا کے میدان میں مطالعہ کریں۔ لیکن ٹھنڈے دل سے تعصب کی عینک کو اتار کر حسینؓ کو صرف بحیثیت ایک انسان کے دیکھیں۔ تین دن کی بھوک پیاس، عزیزوں کا، دوستوں کا، بچھڑنے کے ساتھیوں کا جدا ہونا، بیکس بی بیوں کی فریادیں جو دل ہلانے والی تھیں سننا اور آئندہ خطرات کا اندیشہ ان تمام باتوں کی موجودگی میں حسینؓ کی فرض شناسی ہر طرح قابل ستائش ہے اور ضرور اس قابل ہے کہ دنیا کے ہر گوشہ میں رہنے والے انسان اس سے سبق حاصل کریں اور حسینؓ کو معلم عالم تسلیم کریں۔ عصر کے وقت حسینؓ خیمہ میں تشریف لائے سارا لشکر ختم ہو چکا تھا یہاں تک کہ چھ ماہ کا شیر خوار بچہ بھی تیر ستم کا نشانہ بن چکا تھا لیکن یہ انسانیت کا معلم اور نانا کی تعلیم کو عملی جامہ پہنانے والا فرض شناسی میں مصروف رہے۔ خیمے میں کیا تھا۔ کہرام بپا تھا۔ وہ وقت تھا کہ اچھے اچھے انسانوں کے حواس جاتے رہتے ہیں۔ لیکن اللہ رے فرض شناس۔ بہنوں کو وصیت، بچوں سے پیار و محبت کا اظہار حد ہو گئی کہ ایک سیاہ فام عورت سامنے آ کر اظہار غم اس صورت سے کرتی ہے۔ میرے شاہزادے۔ کیا تو مرنے کو جا رہا ہے میں تیری ماں کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ جب بی بی مجھ سے سوال کریں گی۔ فضہ تو زندہ رہی اور میرا حسینؓ مرنے کو چلا گیا۔ تو فرض شناس حسینؓ نے کیا جواب دیا۔ کیا قارئین کرام دنیا کے کسی انسان سے اس عالم میں اس جواب کی امید کر سکتے ہیں چاہئے تو یہ تھا کہ بی بیاں اس سیاہ فام کنیز کو دھکا دیکر ہٹا دیتیں اور حسینؓ کو بچوں سے بات کرنے کا موقع زیادہ ملتا۔ لیکن یہ سب فرض شناسی کے خلاف تھا۔ سب خاموش ہو گئے۔ حسینؓ نے کہا فضہ مجھے یاد ہے کہ جب میری ماں چکی پیستی تھی تو تو مجھے زانوں پر بٹھا کر کھلایا کرتی تھی۔ مجھے معاف کر دے تیرے حق سے ادا نہیں ہو سکا۔ بی بیوں سے رخصت ہو کر میدان میں آئے دشمنوں کو اپنے شجاعت و صبر کے جوہر دکھائے اور بالآخر اس فرض شناس انسان نے سجدہ میں سر کٹا کر ثابت کر دیا کہ خدا کا فرض کس وقت اور کس طرح ادا ہونا چاہئے۔

حسینؓ شہید ہو گئے اور یہ داستان غم قیامت تک بیان کئے جانے کے واسطے باقی رہ گئی کہ حسینؓ معلم عالم کے نواسہ، معلم عالم کے فرزند اور اس معلمہ کی آنکھوں کی روشنی تھے جو دونوں جہان کی عورتوں کی سردار ہے۔ اور اپنی اس عدیم المثال قربانی سے وہ سبق دیا جو اگر ہر سال عشرہ ماہ

محرم ہی میں کبھی دہرایا جاتا ہے تو دنیا کے تمام انسان بہت سے بہتر زندگی بسر کر سکتے ہیں جو ایک فرض شناس انسان کی زندگی ہو سکتی ہے۔ پروفیسر ایچ ڈبلیو سورنیو جو ایک موجودہ زمانے کے مستشرق اور زندہ مصنف ہیں ایک مقالہ میں جو ابھی چند سال ہوئے شائع ہوا ہو فرماتے ہیں۔ "

Mohamed preached Islam on obedience unt
God. Husain adhered to the principles of Tru
firm and unshaken to the end. Such
souls never die and Husain still occupies
a high place among the leaders of mankin
a source of inspiration to all Muslims and
an examplor to those of other faiths, for
he was fearless in character, fearce-
less in devotion and true to the ideals
he has the fully exposed.

حضرت اویس قرنی

سہیل ملک یمن اور آفتاب قبیلہ قرن ہے جنھوں نے زہد کی انتہا کر دی۔ اور حضرت خاتم المرسلین نے جناب اویس کی شان میں "نفس الرحمٰن" اور خیر التابعین فرمایا ہے۔ آپ نے آنحضرت کا زمانہ دیکھا تھا لیکن شرف ملازمت حاصل نہ کر سکے۔ غائبانہ ایمان لائے تھے۔ اپنی ضعیف ماں کی وجہ سے مدینہ منورہ حاضر نہ ہو سکے کیونکہ ہر وقت اُن کی خدمت میں مشغول رہتے تھے۔ دن کو شتربانی کرتے اور اُنکی مزدوری سے اپنی اور اپنی والدہ کی بسر اوقات کا سامان مہیا کرتے تھے۔ شجرۂ اولیا میں سید نوربخش نوراللہ مرقدہٗ نے حضرت اویس کو مجذوب لکھا ہے۔ اور تحریر فرمایا ہے کہ حضرت اویس قدس سرہٗ وہی بزرگ ہیں جن کو آنحضرت نے ولی اللہ کہا اور فرمایا کہ یمن کی طرف سے نفس الرحمٰن کا احساس کرتا ہوں یہ بھی ارشاد ہوا کہ وہ سید التابعین ہیں۔

سید المتالہین حیدر بن علی آملی اپنی کتاب منبع الاسرار میں لکھتے ہیں کہ اویس قرنی کی جلالت قدر اور بزرگواری اسرار الٰہی ہونے کی وجہ سے جناب رسالتمآب جب یمن کی طرف سے اُن کے انفاس

قدسیہ کی خوشبو سونگھتے تو فرماتے تھے کہ "یمن کی طرف سے روح الرحمن کو سونگھ رہا ہوں" حضور کے ایسا کرنے پر حضرت سلمان نے عرض کیا کہ وہ کون شخص ہے؟ آپ نے فرمایا "یمن میں ایک شخص ہے جسے اویس قرنی کہتے ہیں۔ وہ روز قیامت تنہا ایک امت کے مثل مشہور ہوگا۔ اور اس کی شفاعت سے مثل قبیلہ ربیعہ و مضر کے داخل ہوں گے۔

آگاہ ہو کہ تم میں سے جو شخص ان کو دیکھے وہ میرا اسلام پہونچا دے۔ اور ان کو حکم دے کہ وہ میرے واسطے دعا کریں۔

تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ "جناب امیرؓ اور حضرت عمرؓ نے حسب وصیت جناب رسالتمآب آنحضرت کا خرقہ اویس قرنی کو پہونچا دیا۔ حضرت عمرؓ نے ان کو دیکھا کہ وہ شتری گلیم اوڑھے سر و پا برہنہ ہیں اور دونوں عالم کی تونگری کو اپنی گلیم میں چھپائے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھکر اپنی خلافت اُن کو حقیر معلوم ہوئی اور کہا کون شخص ہے جو خلافت مجھ سے ایک روٹی کے عوض مول لے۔ اویس قرنی نے کہا اے عمر کون ایسا بے عقل ہے جو روٹی دے کر خرید ے گا۔ یہ تو بیچ کیا رہا ہے۔ پھینک دے جس کا جی چاہے گا اٹھالے گا۔" جناب امیرؓ اویس کی باتیں سنکر خاموش رہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم پیغمبر کو دیکھنے کیوں نہ آئے۔ اویس نے پوچھا تم نے پیغمبر کو دیکھا ہے۔ عمرؓ نے جواب دیا ہاں اویس نے فرمایا کہ شاید تم نے صرف اُن کا جبہ دیکھا ہے اور اگر دیکھا ہے تو بتاؤ کہ اُن کے ابرو پیوستہ تھے یا کشادہ اس پر حضرت عمرؓ نے کچھ جواب نہ دیا۔ پھر اویس نے کہا کہ میرے لئے آپ دعا کریں۔ اویس نے کہا ایمان میں میری شامل ہوجاؤ میں ہر نماز کے قنوت میں دعا کرتا ہوں "اللھم اغفر للمؤمنین والمؤمنات" اگر تمہارا ایمان سالم ہے تو اس دعا میں شامل ہو ورنہ میں اپنی دعا کو ضائع نہ کروں گا۔ عبادت کی یہ کیفیت تھی کہ کبھی ساری رات رکوع میں کبھی پوری رات سجدہ میں بسر کرتے تھے۔ لوگوں نے جب پوچھا کہ تم کو عبادت کی ایسی طاقت کیسے حاصل ہوئی کہ ایسی طولانی راتیں ایک حالت میں کاٹ دیتے ہو۔ جواب دیا کہ رات طولانی کہاں ہوتی ہے۔ کاش ازل سے ابد تک ایک رات ہوتی اور میں اُسے ایک سجدہ میں بسر کرتا۔

حبیب السیر میں مذکور ہے کہ اویس قرنی ایک دن فرات کے کنارے وضو کر رہے تھے۔ ایک طبل کی آواز آئی لوگوں سے پوچھا کیسی آواز ہے جواب دیا کہ حضرت علیؑ کی فوج معاویہ سے جنگ کے واسطے جا رہی ہے۔ اویس نے کہا میرے لئے کوئی عبادت متابعت علی مرتضیٰ سے افضل نہیں ہے یہ کہکر اس سمت دوڑے اور علیؑ کے لشکر میں جا ملے اُن کی رفاقت

میں شہید ہوئے۔

تحفۃ الاحبا میں لکھا ہے عبداللہ بن عباس نے بیان کیا کہ جب ہم لوگ حضرت امیر کے ساتھ مقام "ذیقار" میں پہونچے تو کوفہ اور اس کے نواح اور ملحق کا لشکر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت نے فرمایا آج ۱۲ فوجیں ہمارے پاس آئیں گی اور ہر ایک میں ہزار آدمی ہوں گے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ مجھے یہ عجب معلوم ہوا۔ جناب ولایت مآب میرے دل کا حال سمجھ گئے حکم دیا کہ اس صحرا میں دو نیزے نصب کئے جائیں تا کہ جو لشکر ہماری نصرت کے لئے آئے ان دونیزوں کے درمیان ہو کر آئے۔ لوگوں کو حکم دیا کہ نہایت تحقیق و احتیاط کے ساتھ ہر فوج کے افراد کو شمار کیا جائے جب آفتاب غروب ہونے لگا جس قدر حضرت نے فرمایا تھا اس سے ایک آدمی کم آیا۔

لوگوں نے حضرت کو خبر پہونچائی آپ نے فرمایا کہ وہ بھی ضرور آئے گا اور وعدہ کو پورا کرے گا۔ ناگاہ دیکھا کہ ایک مرد پیادہ پا آ رہا ہے۔ اپنا زاد راہ پشت پر باندھے ہوئے ہے۔ ایک پانی کی چھوٹی سی مشک گردن میں لٹکائے ہوئے ہے اور نہایت ضعیف و نحیف ہے۔ چہرہ زرد و غبار آلود ہے۔ حضرت کی خدمت میں پہونچ کر سلام کیا۔ آپ نے جواب سلام کے بعد نام اور قبیلہ پوچھا۔ عرض کی میں اویس قرنی ہوں یا امیرالمومنین ہاتھ بڑھائے میں بیعت تو کر لوں۔ فرمایا تم کس چیز پر بیعت کرو گے۔ عرض کی اس وعدہ پر کہ آپ کی نصرت میں جان و دل اور اپنا سر آپ کے قدموں پر نثار کروں"۔

"جنگ صفین" میں جنگ کرتے ہوئے بڑھے چلے جاتے تھے ایک تیر دل پر آن کر لگا اور شہید ہو گئے رحمۃ اللہ علیہ۔ ایک بار زمانہ حیات سرور کائنات میں اپنی ماں سے اجازت حاصل کی ماں نے کہا جاؤ زیارت کر کے چلے آنا۔ اگر حضرت مکان میں موجود نہ ہوں۔ تو نہ ٹھہرنا۔ اویس گئے حضرت تشریف فرما نہ تھے۔ واپس گئے یمن چلے گئے۔ جب حضرت تشریف لائے تو گھر میں ایک نور دیکھا جو کبھی نہ دیکھا تھا دریافت فرمایا کہ دروازہ پر کوئی آیا تھا جواب ملا کہ ہاں یمن سے ایک شتربان اویس نامی آیا تھا اور سلام کہہ کر واپس چلا گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ نور اویس کا ہے خود چلے گئے اور یہ ہدیہ ہمارے واسطے چھوڑ گئے۔

نوٹ۔ عالیجناب جلالتماب فخرالاماجد والاماثل امیرالامرا امیر ابن امیر ابن امیر ابن امیر ابن امیر ہز ایکسیلنسی نواب محمد یوسف علی خاں بہادر سالار جنگ دام اقبالہ واجلالہٗ انہی حضرت اویس قرنی کی نسل سے ہیں۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنے آبا و اجداد کے نام کو روشن ہی نہیں کرتے بلکہ چودہ چاند لگاتے ہیں۔ ممدوح عالیجناب جلالتماب نواب میر لائق علی خاں صاحب بہادر سالار جنگ ثانی کے فرزند ہیں ان کے جد امجد محسن ملت اسلامیہ ہز ایکسیلنسی نواب مختار الملک بہادر سالار جنگ ثانی تھے جنکی وزارت عظمی کے

روضۃ الصفا جلد ۲۔ صفحہ ۵۰۹ مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ "چوں وعدہ مقاتلہ و ہنگام محاربہ رسید حضرت امیرالمومنین علیہ السلام و جمیع خاصان را جمع کرد و در روی برادر احمد مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمود کہ ما عترت و عشیرت رسول امین و اہل بیت طیبین و طاہرینیم بہ سلوک طریق مستقیم رسوخ یافتہ و پرتو عنایت ملک قدیم بر ما تافتہ قواعد ملت بیضا و مبانی دین اسلام باہتمام ما استوار شدہ و عماد شریعت غرا و اساس رکن مقام بتقویت ما پایدار گشتہ مثل ما مثل سفینۂ نوح است کہ ہر کہ رکوب آن دست داد از جمیع مخاطرات نجات یافت و ہر کہ اعراض نمود در مہلکہ ضلالت و غوایت شتافتہ، بعد از آن فرمود یا معشر المسلمین محزون و اندوہناک مباشید کہ فردائے قیامت برحمت پروردگار و شفاعت رسول مختار و صحبت اخیار و ابرار محظوظ و بہرہ مند خواہید گشت، باید کہ بکثرت تلاوۃ کلام ربانی مبالغہ نمائید و ظفر و نصرت از بارگاہ ایزدی مسئلت نمائید و از سر حزم و احتیاط بجانب خصم قدم نہید بعار فرار و عیب ہزیمت تن در ندہید و من نہی میکنم شما را از مقاتلہ مگر آنکہ ابتدا و مجادلہ از جانب خصم باشد و ما دام کہ کمر بر اقامت حجت نکنید بحرب اشتغال منمائید و اگر بارادہ سبحانی جماعت منہزم گردند در عقب رفتہ ایشان را مکشید و از ملاف عفو بر پیچید و در معرکہ بنظر شما در آید مبالغہ مکنید و در قتل جریحان مکوشید و ایذا و نسوان روا مدارید اگرچہ زبان بایشان بسبب شتم امراء گویا باشد چہ زنان ضعیف نفس خبیث رائے میباشند و ما در زمان رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کہ باسم جہاد و اجتہاد مینمودیم بایذا رایشان مامور نبودیم و باز بر زبان گوہر افشان بگذرانید کہ اے مسلمانان خوف و خشیت باری سبحانہ و تعالی اشعار خود ساختہ تقوی را اختیار کنید و صبر و تحمل در پیش آرید و حجاب قلق و اضطراب از پیش روئے خود بردارید، و در وقت ضرب شمشیر و طعن سنان دندان محکم برہم نہید کہ زخم تیغ آبدار را و آسیب اصابت سنان را بہ تیزاران مانع نیست و تکمیل ابواب مردی و تمام اسباب خطوب پردازید و پیش از کشیدن سیوف از نیام تحریک آں قیام نمائید و بدانید کہ شما بعین عنایت حضرت سابق الانعام ملحوظ شدہ و از مصاحبت و موافقت ابن عم خیر الانام علیہ الصلوۃ والسلام محظوظ گردیدہ اید وظیفہ آن کہ در حملہ کرار کمر و ہزیمت و فرار را عین عیب و محض عار شناسید کہ انہزام موجب ننگ اعقاب و مستلزم عذاب روز حساب است و بعد از تمام وصیت طویل الذیل کہ تفصیل آں در نہج البلاغہ و کتب دیگر مسطور است با اولاد کرام و ابن عباس و عبداللہ بن جعفر بن ابیطالب و اعیان مہاجر و انصار رضی اللہ عنہم بجانب معرکہ روان شد۔

اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ دست ارادت در رکاب سعادت انتساب او زدہ سایہ مثال ملازمت آں آفتاب سپہر فضل بکمال اختیار کردہ روانہ شد مرویست کہ چوں لشکر با در برابر یکدیگر صف زدہ ایستادند شخصے از سپاہ معاویہ ندا کرد کہ اے اہل عراق اویس قرنی در میان شما ہست جواب دادند کہ بلے غرض از پرسش

چیست گفت من از رسول اللہ شنیدم کہ فرمود کہ اویس قرنی بہترین تابعین است از روئے احسان۔۔۔

حیدری

سلام

(نتیجۂ فکر پرنس کاظم علی میرزا صاحب قمر راجہ و صاحب تعلیل لکھنؤ)

وقت پر کام آگئی اے حُر تیری تدبیر بھی
خلد پایا حُر کو شہ سے ہو گئی تقصیر بھی

پُر اثر تھی کس قدر صغرا کی وہ تحریر بھی
جس کو پڑھ کر رو دیئے خود حضرتِ شبیر بھی

مجرئی جب قتل رن میں ہو گئے شبیر بھی
قید رانڈیں ہو گئیں اور عابدِ دلگیر بھی

حرملہ تیرِ سہ شعبہ اور اصغر کا گلا
ایسے بچے کو تو کافی تھی ہوائے تیر بھی

شمع گریاں تھی شبِ عاشور اکبر کے لئے
دل کو تھامے رو رہی تھیں مادرِ دلگیر بھی

کچھ مرقعے کربلا میں آئے بھی مٹ بھی گئے
ایک اس میں تھی رسول اللہ کی تصویر بھی

مشک بھر لی نہر سے منہ پھیر کر عباس نے
بن گئے نقشِ وفا بھی صبر کی تصویر بھی

شاہ نے کیا کہہ دیا خاموش اصغر ہو گئے
کان میں کچھ کہہ گیا چپکے سے آکر تیر بھی

ننگے سر وہ بی بیاں تھیں کربلا سے شام تک
جن کا پردہ کر چکی تھی آیۂ تطہیر بھی

کوفیوں کو فکر یہ تھی نسلِ پیغمبر مٹے
کربلا تک شہ چلے آئیں کسی تدبیر بھی

وہ گلستانِ نبیؐ اور دستِ ظلمِ اشقیا
جس کو سینچا سیدہ نے دے کے اپنا شیر بھی

یا الٰہی جلد مشہد کی زیارت ہو نصیب
پھر قمر آنکھوں سے دیکھے روضۂ شبیر بھی

حسینیت اور یزیدیت

(اثر خامہ حقیقت رقم جناب سید محمد باقر صاحب جوراسی جو جلسہ یادگار حسینی لکھنؤ میں پڑھی گئی)

اے مجازی عزم تیرے گوشِ دل نے کچھ سنا
کہہ رہی ہے کیا حقیقت کی زبانی کربلا

کیوں کیا اور کیا کیا ہے ہمتِ شبیر نے
کھول دی تقدیر کس کے ناخنِ تدبیر نے

کیا سماں تھا نیزوں کے سنا دی پُر ہول میں
تربیت روحِ عمل پاتی تھی کس ماحول میں

تشنۂ خونِ وفا وہ دشتِ بے آب و گیاہ
ہر طرف بادل بہیمیت کے تا حدِ نگاہ

نیزۂ آتش فشاں تھی ہر شعاعِ آفتاب
شعلۂ خورشید کی آ کر جو ٹکراتی تھی ضو
کھولتا تھا یوں حرارت کے اثر سے آبِ جو
ماہیِ بے آب کا ہر موج میں تھا اضطراب

آہ وہ بارش پیہم تندئ بادِ سموم
اڑ رہے تھے یوں بخاراتِ زمیں بن کر شرر
گر کے دانہ خاک پر ہوتا تھا بریاں اس طرح
اک قیامت اور بھی اس حشرِ طوفانی میں تھی
دل کے جوہر کھل رہے تھے بند تھا آب و طعام
خندہ زن تھی جب بشر کی عقل پر حیوانیت
تھی حقیقت مذہبیت کی حجاب اندر حجاب
حاکمِ قومِ مسلماں تابعِ نفسِ شریر
کارفرما دین کے پردے میں دنیا کا جمال
بیخودی میں کبر کی بگڑا ہوا خصم مزاج
درد تھا یہ دیکھ کر شہ کے دلِ صد چاک میں

ہر طرف سے ہو کے اس عالم میں مایوسِ پناہ
کر کے نذرِ صرصرِ بیداد سارا اپنا باغ
دی گئیں راہِ خدا میں اس طرح قربانیاں
دے کے اپنے لعل بہرِ زادِ راہِ مستقیم
اپنے دونوں ہاتھ بھائی نے کئے نذرِ وفا
دل سے برچھی کو لگا کر سوئے اکبر مثلِ شیر
یوں ہنسے اصغر جو تیر آیا ستم ایجاد کا
جسم تھا انسانیت کا تربیت گاہِ ممات
کر کے تکریمِ غلام اس بات کو بخشا وثوق
دست و پا کو کر کے عترت نے رہینِ قید و بند

چھید کر مرغِ نظر کو بھی جو کرتی تھی کباب
دے رہا تھا دامنِ صحرا میں ذرہ ذرہ لو
جوش زن جیسے رگوں میں ہو شبابِ عنفواں
فرش انگاروں کا تھا یا آبِ دریا پر حباب
شمعِ دیں پر شام کی تیرہ ہواؤں کا ہجوم
تھے پرندے آشیانوں میں سمیٹے بال و پر
تین دن کی تشنگی میں قلبِ سوزاں جس طرح
آبروئے میزبانی غرق جب پانی میں تھی
ظلم سے ٹکرا رہی تھی قوتِ صبرِ امام
بحرِ غم میں ڈوبتی تھی کشتئ انسانیت
زندگی تصویر پر دوڑا ہوا رنگِ شراب
باغئ دینِ خدا کیدِ شیاطیں میں اسیر
حملہ ور اعجاز پر سحرِ تمول کا کمال
ملتِ بیضا پر شہوانی شریعت کا رواج
نورِ تبلیغِ رسالت مل رہا ہے خاک میں
ڈالتی ہے آپ پر تہذیب حسرت کی نگاہ
زیرِ دامن لے لیا اخلاق کا بجھتا چراغ
قبلہ رو تھیں خون میں ڈوبی ہوئی پیشانیاں
گردنِ امت پہ رکھا بارِ احسانِ عظیم
تا کہ باطل ہو رواجِ بیعتِ اہلِ جفا
نوجوانوں کو بتایا ایسے ہوتے ہیں دلیر
سر جھکا شرم و حیا سے جبر و استبداد کا
بھر دیا رگ رگ میں شہ نے خون کا آبِ حیات
ہر بشر کے ہیں شرافت میں برابر کے حقوق
مقصدِ آزادئ دل کی عمارت کی بلند

تھا جو اقرارِ معنی فطرت غریبوں کا شعار
بعد تیرہ سو برس کے بھی ہے قائم یادگار

تاجدارِ کربلا

(از نتیجۂ فکر سید حیدر حسن صاحب ضیا لکھنوی)

(جلسہ یادگار شہداء قصبہ بہادر پور مقام الور پڑھی گئی خاص سالہ اسلامی دنیا کیلئے)

مرحبا صد مرحبا اے روح و جانِ مصطفیٰ — تیرے استقلال سے باقی ہے شانِ مصطفیٰ
آکے میدانِ عمل میں یوں کھلے جوہر ترے — سجدے کرتی ہے شجاعت آج تک در پر ترے
وہ عرب کی تھی زمیں اور وہ گرمی کا سماں — جس کے باعث اٹھ رہا تھا دل سے دریا کے دھواں
اک طرف ظلم و ستم تو قتلِ عام تھا — صبر کامل اک طرف مشغول حق کے کام میں
واقفیتِ انجام سے پہلو میں دل رنجور تھا — عہدِ طفلی کرنے والے تو مگر مجبور تھا
گلشنِ اسلام میں اڑنے لگا ہر سو غبار — ذرہ ذرہ ہو رہا تھا مضطرب اور بے قرار
کیوں نہ ہوتے پھر سے رائج آہ افعالِ قبیح — ہو رہے تھے عام درباروں میں اعمالِ قبیح
جلوہ گر اسلام کے پردے میں صورت کفر کی — بڑھ رہی تھی ہر نفس میں جس سے قوت کفر کی
منظرِ دورِ جہالت یوں نظر آنے لگا — دیکھ کر قلبِ حسینؑ ابنِ علیؑ تھرا اٹھا
اپنے ہاتھوں سے محمدؐ نے لگایا تھا جسے — وہ شجر مرجھائے اور جانِ نبیؐ دیکھا کرے
آزمائش کے لئے باقی یہی تدبیر تھی — سرخیِ افسانہ ہو مظلومیت کے خون کی
لیکے چھوٹے چھوٹے بچوں کو حفاظت کیلئے — آگیا دارِ عمل میں حق کی نصرت کے لئے
فدیۂ راہِ خدا کس میں تھی یہ تاب و تواں — دیکھے خود اپنی نگاہوں سے قیامت کا سماں
اک طرف کڑیل جواں برچھی کا پھل کھائے ہوئے — شیر سا بھائی کٹیں شانوں کو کٹوائے ہوئے
تیر سے مارا گیا بچہ مگر اللہ رے صبر — اپنے ہاتھوں سے بنائی دشت میں اصغر کی قبر
شانِ میدانِ عمل میں کہہ رہی تھی اور کچھ — ہر مصیبت پر بڑھی چہرے کی سرخی اور کچھ
تین دن کی پیاس میں یہ صبر خالق کی پناہ — کام بس تیرا ہی تھا اے دینِ حق کے بادشاہ

موجزن رگ رگ میں تھا گو خونِ شاہِ لافتا
لیکن اپنے ہاتھ سے چھوڑا نہ دامن صبر کا

اختیارِ خاص میں اے اہلِ عرفاں کیا نہ تھا
وارثِ تیغِ علیؑ کیا دلبرِ زہرا نہ تھا

تیغ قبضے ہی میں اٹھائے ظلم اہلِ جبر کے
ہے شجاعت بھی وہی جس میں ہوں جوہر صبر کے

جان اس صورت سے دی الحاصل راہِ رضا
خون کے آنسو رو رہے ہیں آج تک اہلِ وفا

چہرۂ اہلِ محبت کے لئے غازہ ہے غم
آہ تیرہ سو برس گذرے مگر تازہ ہے غم

یوں شکستِ ظاہری میں فتحِ باطن تھی نہاں
جس طرح سے ابر میں ہو مہرتاباں ضوفشاں

قتل ہو کر دی حیاتِ جاوداں اسلام کو
سچ تو یہ ہے رکھ لیا باقی خدا کے نام کو

کٹ رہا تھا حلقِ شہ جب ظلم کی تلوار سے
نعرۂ تکبیر پیدا تھا لہو کی دھار سے

مال و دولت کی تمنا تھی نہ تخت و تاج کی
آبرو رکھنی تھی دینِ صاحبِ معراج کی

چاہے دنیا کچھ لے وہ کام آتا کر گئے
اے صبا حق کی قسم اسلام زندہ کر گئے

سلام

(نتیجۂ فکر نواب محمد معین خاں صاحب بہادر دام اقبالہٗ جاگیردار حیدرآباد دکن خاص اسلامی دنیا کیلئے)

سکوں ایسے تو کب ملتا ہے اس دنیائے فانی میں
مگر ٹھنڈک ملی ہے دل کو اشکوں کی روانی میں

جو بچے دیکھتے ہیں نہر کو تشنہ دہانی میں
ہیں موجیں مضطرب پھرا ہے اک طوفان پانی میں

کہا سرور نے رو رو کر علی اکبرؑ کے لاشہ پر
پدر کی موت ہے مرنا پسر کا نوجوانی میں

فلک تھرا گیا ابن علیؑ کے آہ و شیون سے
عجب ایمائے اصغرؑ کا زبانِ بے زبانی میں

علی اکبر کو رن میں بھیجکر کہنے لگے اعدا
رسول اللہ کی شکل ایسی ہی تھی نوجوانی میں

بہتر میتوں کا غم شہ دیں نے اٹھایا تھا
کہاں تابِ توان باقی تھی اب پیرکی جوانی میں

کہا یہ ساتھیوں سے حر نے حق پر جان فدا کر دو
حیاتِ جاوداں حاصل ہے کس کو دارِ فانی میں

یہی رونا ہمارا روزِ محشر کام آئے گا
جو جا بیٹھے وہ بیٹھے علیؑ کی حکمرانی میں

سنا تا جائے کوئی قصۂ کرب و بلا مجھکو
نعیم آتا ہے دل کو لطف راحت اس کہانی میں

one thing more and this too seems quite reasonable. They say that the prophet of God was not chosen by the people and no voice regent to any prophet of yore was ever selected or elected by the people, not even by the prophets themselves, there fore the people had no right to chose a caliph for themselves after the prophet of God. The holy Quran makes it quite clear :—"God chooseth messengers from among the angels and from among men. For God is He who heareth and seeth" (Sales Translation Page 335 lines 3). Again we find in the same translation chap XXVIII P. 384 last but 8 lines. "Thy Lord created what He pleaseth, and chooseth freely : but they have no free choice". This has put a dead stop to the choice made by the people for the office of the *Chosen Ones*. I have already mentioned that our Lord Mohammad was declared like unto Moses in the holy Quran as well as in the old Testament and it will be of great help to decide whether a successor or vice regent to the Prophet of Allah was to be chosen by the people themselves or by God. Lord Moses was ordered by God to go to pharaoh and convey his message to him. You will find in this connection a very interesting discourse between God and Lord Moses. Vide Sales Translation Chap XX P. 306 from last but 6 lines on words. Moses requested God to give him a Vazir which is equivalent to the chief administrator of affairs under a prince-a prime minister. When it was not within the power of Lord Moses to appoint his brother 'Aaron' as his minister, how could possibly the people have done so after the holy prophet. If you could give me a further chance of explaining things to you still more clearly, I will spare no pains to do so and trust you will be convinced to the bottom of your heart that the difference which is more or less nominal has no footing.

The word Shia means a friend, a follower in faith, and this has become the name of those who love the Children of Ali & Fatima (The latter being the dearest child of the prophet of Allah.) and follow them. The Sunnie learned men from the very

Rest on the back of the title.

essential even if the prophet of God did not nominate any body, during his life time. Omar the great stretched his hand and took an oath of feality for Abubakr who first tried to take a similar oath for Omar as the latter was more powerful in the eyes of the former. But Omar compelled him to submit to his will and said that he will help him with all his power.

Thus the appointment of a caliph was brought into effect. The shias on the other hand say that 'Ali' was nominated and proclaimed as heir apparent on the very day the holy prophet declared his prophet hood While addressing his kinsmen the prophet of God explained as such :— I have been commissioned with a heavy work and wish that some one from among yourselves should come forward and become my helper. He will be my brother, My "Vice regent, and my Vazir in this world as well as in the next world." Ali who was of 13 years only–Volunteered himself for that office. He was accepted as such by the holy prophet then and there. This you can find in nearly, every biography of the holy prophet. Rt. H'ble Sir Amir Ali in his book 'A short History of Saracens, has mantioned that Ali Son of Abu Talib possessed all qualifications necessary for a perfect muslim and that he was second to none saw one (the prophet) who preceded him or those who followed him. On the Night of the prophets flight to Medina he slept in the prophets bedding. On another occasion in Medina while the prophet was going on an expedition to Tabuk, Ali was left incharge of Medina as the prophet vice regent and last of all while returning from his last pilgrimage, the Prophet of Allah declared with great preparations at ghadeer-I-Khum that Ali was the master of every living soul of whom he (the prophet) was a master. Besides, Ali had in him all qualifications which could justify his succession to the Prop het ofGod. His knowledge of the Book of God-the Koran knew no limits. His courage and patience in the battle field was examplary. His other qualifications were just as those of the prophet of God, and so he had every superiority to those who were in his time, after the prophet of God. The Shias says

supports my claim (Vide George Sales Translation of the Quran Chap. XXI P. 326 Line 3). He was like unto Moses (Vide Sales Translation P. 558 lines 14, 15 Chap L XXIII) as mentioned in the old Testament. He testified to the statement of Lord Christ and possessed all qualifications necessary for the comfortor. (Vide Chap. XI X P 298 Sales Translation) The qualifications necessary for the confortor canbefound in the Holy Quran in different places and if necessary I can trace them invariably. The thing that our Lord Mohamad was the last of all the world teachers is also evident from the Quran e So for the Budhists, Jews & Christions it remains in evitable to belief in the prophet-hood of our Lord Mohamad as otherwis they will not be believing in these 3 great personalities who foretold all about this last messenger of God. It should also be mentioned here that 'Islam' is not the religion of any particular class of people or that it came into existence only about 14 centuriecago. The word Islam means submission and resignation to the will of God and there fore it must have its origin in the very begining of the uninverse. If required I shall throw light on this part later. During the life time of the holy prophet there were not subsects in Islam. It was only just after the departure of the Great World Teacher from this world-that some differences arose. Here comes the difference between the Shias & Sunnis.

After the sad demise of the holy prophet, his son in law cousin and most adherent disciple-Ali was busy in making funeral, arrengements, while some of the emigrants (who came from Mecca along with the prophet) and the helpers (the people of Al-Medina who helped and sheltered the prophet after his flight to Medina) hurried to a place which is known as 'Saqifa-i-Bani Saeda' and quarrelled among them selves as to who should succeed the prophet. The Meccans wanted one from among themselves and the Medinies wanted one from their own people. Not one single soul could claim tne great honour for himself on account of merits and personal qnalifications which was most

next Budha will be maitreya a Budha, the Budha of kindness". From the above it is evident that Lord Budha was not the last of the series of prophet hood and the Budhists, if they believe in the teachings of Lord Budha must believe in the maitreya Budha who came to this world to revive the forgotten truth. After Lord Budha two other great persons appeared in this world. They were Lord Moses & Lord Christ. These too in their turn taught the same lesson to their people, but none of them claimed that he was the last of the series of world teachers Budhas or prophets. In old Testament Detronomychap. XVIII. Verses 15 & 18 you will find that Lord Moses told his people that a prophet will be raised from among his brotheren like unto him and that the word of God will be put into his mouth. Lord Christ came after Moses, but he too did not claim to be the last messenger of God. You will find in St. John-chap 7 that the gews were awaiting the appearance of 3 great personalities ie Christ, Ellios and that prophet. Again in the same book chap. XIV in different Verses we find that Lord Christ told his disciples that it was expedient for them that he should go away because if he would not go away the comfortor will not come. The qualifications and the duties of the comfortor given in the holy book prove that he (the comfortor, would have preference over Lord Christ as his work would have been heavier and more important The comfortor, Lord christ-said, would 1) Testify of him (2) He will guide them into all Truth (3) He will teach them all things (4) He will bring things to their rememberance what so-ever Lord Christ taught them. (5) He will show them things to come. (6 He shall abide with them forever. (7) And he shall not speak of himself, but what so ever he shall hear that he shall speak unto them etc According to the teachings of these two great teachers, the gews & the Christians should try to find out who that Great Teacher Could be, who is like unto Moses according to the old Testament and the Guide into all truth with all the above qualifications given in the Holy Bible. Our Lord Muhamad was the Matterya Budha as mentioned by the great Guatama and the Holy Quran

inclination towards Budhism. At the same time he is very anxious to know the difference between shias & sunnis the two great sects of Islam. I promised to write a letter to his European friend as soon as I reach home and send him a few pamphlets in english I could not do so as yet owing to ill health and other hinderences. I have come to Hyderabad for a few days and fortunately got time here to write the promised letter. I will send it on tomorrow, the 17th January and shall publish the same in my magazine. I am not desclosing the name of that officer and if I am permitted I will do so afterwards. I shall however publish his reply if any received together with my remarks in the next issue. The following is the text of that letter :—

Dear brother in Islam. Peace be upon you and on us all. It was only on the 1st instant that one of my friends Mirza Nisar Husain told me something about you. I was too busy that day and had to leave Lucknow the same evening, there fore I could not get an opportunity of either approaching you personally or writing this letter-earlier. I trust you would not mind my addressing youon matters concerning Islam. I was much delighted to larn that you joined the ranks of Islam out of your own free will and choice and because I have been told that you are desirous of knowing the difference between the two great sects of Islam "Shias & Sunnis". I am taking the liberty of explaining thing to you. I have also been told that you have some inclination towards Budhism. I must tell you something in this connection first. Lord Budha claimed prophet-hood for himself as would appear from a perusal of Encyclopaedia Britanica Vol. IV P. 427 Ninth edition. The exact words are "The Historical Budha, the Gautama of this article, taught that he was one of a long series of Budhas who appear at intervals in the world, and all teach the same doctrine After the death of each Budha his religion flourishes for a time and then decays and is at last completely forgotten until a new Budha appears who again preaches the lost truth or Dharma. The

An important letter.

While returning from Calcutta after Ashoora I had to deliver a lecture in connection with the annual majlis of Prince Bahram Ali Mirza Br. (ex Royal family of Oudh) in Golaganj Lucknow on 14th of Moharram last. I had done the same work at Fyzabad on the preceding night, Both these sermons were much appreciated. The subject dealt with at Fyzabad was "Islam is the natural religion of man". and Mr. M. B. Ahmad I. C. S. Distt. and Sessions Judge Fyzabad along with so many other Civil, Judicial and military officers enjoyed the sermons very much and expressed their utmost appreciation. Mr. Bashir Haider, city magistrate, Fyzabad took a good deal of interest in me and went to the Ry. station to make all comfortable arrangements for me in the train which was in the yard at that time (1. A. M.) and had to leave Fyzabad early in the morning. S. Sajad Husain Spl. Manager Court of Wards Lorepore House arranged for this majlis in honour of the departed soul of his worthy father Mir Baker Husain Dy. Collector.

The subject dealt with at Lucknow was (The Philosophy of Life and Death). For full 2½ hrs. I explained the philosophy of life and death as taught by the Holy Quran. Indeed it was a select gathering the house being full to the capacity. Hundreds of people desirous of hearing me returned home for want of accomodation as they were rather late. The sermons started punctually at 8 P. M. It was so much appreciated that the university and college students used to come to me the whole next day and with great difficulty I was able to reach station in the evening. The educated youths were desirous of remaining with me for some hours more, if I had any time at my disposal.

By the way one of them Mirza Nisar Husain told me about one of his European friends who is a man of very high position already in service that he embraced Islam sometime a go and it is only a few months that he is showing some

days after his joining the ranks of Islam. It will give much satisfaction to our readers when they will see that within a few day's training from Maulana Haidari Mr. Hosen Wells was able to understand the difference between Husainism and Yazidism. He is now busy in propagating Islam in Oceania and we pray to Almighty God that he may be spared for a long time to serve the noble Cause. *(Editor)*

"Hosain"

1 Pitched upon the scorching desert the tents of Hosain lay
Emcompassed round with Satans Hounds
upon that black Sad day.

2 They numbered less than eighty strong.
Women & children too.
Whilst Yazid's thousands stood around
a waiting the fiend's lue.

3 Driven away from the cooling stream,
His children wailing for water.
Awaiting with Patience extremely sublime
Like sheep for the butcher's slaughter.

4 Oh! how valiantly fought that pitiful Few,
Against Yazeeds vile murderers.
Fought with a courage unequalled in Time
Fought with a Fierceness that was surely divine

5 The earth quaked and trembled as noon drew near
But still the surivors knew no fear.
Bnt Fewer and Fewer Grew that pitiful band.
For Islam, and God, and Hosain, they Stand.

6 At last, all were dead, the evil had won.
Blood red sank down the merciless Sun,
Trampled and torn lay the Gallant Hosain.
For Islam & God, the Faithful were Slain.

Hosain Wells Singapore June 28

God and his message who had inspired it as he believed and enjoined constant thought of Eternal Glorification People from all parts of Arabia were attracted towards him to hear him deliver the message of Allah which was destined to dispel the gloom ot irreligious life they were living under and which led to the building up and expansion of a great Islamic Empire which quickly sprang into prominence during the course of the advancing years. It is an incentive to the attainment of the blessing and manifestation of spiritual life. His divine nature and sacred belief in the one Supreme God became so exuberant that he was unanimously proclaimed to be the greatest religious preacher and reformer of his time. He rose to power not by his love for aggrandisement or due to self adoration but by his patience, forbearance and by his sense of duty to God in whose admitted existence and true worhip he proved rested the ultimate salvation of the soul. By his acts of holiness, kindness and generosity to God's creatures he won the admiration of all who came in contact with him and who were persuaded by his guiding authority to follow the path of righteousness in expectation of the reward which their trustfulness in God has in store for them. Islam is a religion pure and simple which prescribes the best manner in which the mind can be concentrated towards the direction of the Lord Almighty by adherence to that form of obeisance to be adopted being essentially necessary in the observance of the worship of God. The great Arabian Prophet has thus placed be-fore mankind a faith which must remain unchallenged for all time as a result of the work of inspiration through the medium of which came to him the realisation of what he sought to discover implanted in the heart of his conviction that there is no God but one and that Mohammad is His Prophet.

In some previous issue of the Islamic world our readers have seen Mr. Hosain wells Contribution "Why I embraced Islam ."

In our present issue we are publishing an elegy composed by Mr Hosen Wells at Singapore is 1928, only a few

translate first volume which will be published in due course and it is expected that persons interested in religion of God will find it most impressive, instructive and useful in this world and here after. To me it appears as an inspiration as the whole book corresponds with either the word of God or that of His Prophet and other saints.

L. A. Haidari
25. 4 45.

Note :—Weare really sorry that owing to press troubles and other difficulties this issue is also published very late *(Editor)*.

It was complete knowlege of universal Truth that enableed the Holy Prophet of Arabia (Peace be on him) aided by Divine Grace to reach the illumined height of enlightenment through which was transmitted a revelation proclaiming him to be the messenger, of God sent forth to preach a sacred creed that would serve to be for the benefit of the world during its life's existence to the day of judgement. Thus the Great Messenger of God with the supernatural powers that he possessed and which has been clearly shown in the accomplishment of the stupendus task he set himself to perform resigned himself to implicit compliance with Holy Command of the Lord Almighty. The fame of the Holy Prophet of Arabia began to spread with amazing rapidity far and wide who after years of meditation supported by Divine Power was able to lay thread-bare a Doctrine which was readily accepted and which is wholly responsible for the success Islam has through centuries gradually continued to meet with. There was no sophism, no mystery concealed in his eloquence but display of profound erudition comprehensible to all. There was instead instructions on the True Faith in the conception of a devotee. He pleaded humility before God, piety and reverence to His will. He condemned corruption and self abuse against precept of religion which was but too prevalent at the time. He spoke of the allurement of evil foreboding and how to encounter it, of tenderness in home duties and abroad, attention to unrestricted reliance in

THE ISLAMIC WORLD
BUDAUN. U. P.

Vol. 8 | March 1945. | No. 5

Sanctity of Religious Teaching

By our Patron

H. H. Amirul Omara Nawab Sir Wasif Ali Meerza Bahadur (Oxon.)
K. C. S. I., K. C. V. O.

It is a fact that most of the rulers of Native states and Nobles or Chiefs have not had occasion to obtain high Education in Western Countries and some, if not many, have very little care for religion or acquiring religious Knowledge. Blessed are those who inspite of state affairs and public engagements are very careful about their religion, more specially in cases where there is sufficient Western Education also. If I am not exagerating Amirul Omara, His Highness Nawab Sir Wasif Ali Meerza Bahadur K. C. S. I. K. C. V. O. (Oxon) the Nawab Bahadur of Murshidabad holds a very high rank in the list of religions Minded, well Educated and qualified Nobles of India. It was only a short time that we published a presidencial address of His Highness in our Magazine and now we are proud in publishing a thesis from this great personality bearing the title of 'Sanctity of Religious Teaching. Although it is a short thesis yet it speaks volumes of the high religious mindedness and Vast Knowledge of the author. We trust other Islamic papers will copy it out or publish its translation that this may have widest circulation. His Highness has written in 2 volumest a most valuable book 'A minds Reproduction'. We have under taken to

begining have been claiming the title of Shia for themselves. I am awfully sorry I have written a very lengthy letter. Kindly excuse me, but if there is anything which requires further explanation you may please write to me at my above address I have come to Hyderabad Deccan for a few days and go back home soon. I am herewith enclosing 2 booklets which may be of some interest to you. Kindly go through them at your leisure and let me know your opinion about the same

Your's faithfully.

M. Liqai Ali Haidari

Muslim Missionary.

CONTENTS.

UNDER THE KIND PATRONAGE

HIS HIGHNESS, AMIRUL OMARA NAWAB SIR WASIF ALI MEERZA BAHADUR K. C. S. I., K. C. V.

NAWAB BAHADUR OF MURSHIDABAD

THE ISLAMIC WORLD

BUDAUN. U. P.

Vol. 8. MARCH 1945. No.—5.

ANNUAL SUBSCRIPTION.

INDIA RS. 6/- SINGLE COPY (INDIA) -/10/-

FOREIGN RS. 8/- or 10 sh. ... ... FOREIGN 1/- or 1. sh. d.

CHIEF EDITOR
H. A. Bdr.

MANAGER & PUBLISHER
ALI ASHRAF
Kazi Tola, BUDAUN,

Printed by L. Ram Saran Lal Rastogi at the Shanti Press, Budaun.

اسلامی دنیا

بدایوں

چیف ایڈیٹر
ڈاکٹر ایس عنایت علی شاہ
نقوی

اغراض ومقاصد

۱۔ غیر مسلم حضرات کے سامنے حقائق اسلام کو بے نقاب پیش کرنا۔

۲۔ مسلم طبقہ میں رواداری کی مستقل لہر دوڑانا۔

۳۔ فرقہ وارانہ اختلاف اور کشیدگیوں کی خلیج کو لگاتار پاٹنے کی کوشش کرنا۔

۴۔ احباب کو مخلص اور مخالفین کو دوست بنانا

۵۔ حقیقی علم برادران اسلام کی سوانح حیات اور ان کی علمی اور اخلاقی تعلیم کو اصل رنگ میں پیش کرنا

۶۔ دنیائے اسلام کے اہم مسائل پر صحیح تنقید و تبصرہ کرکے غیر مسلم حضرات کی غلط فہمیوں کو رفع کرنا۔

۷۔ رعیت اور راعی کے تعلقات کو خوشگوار بنانا۔

۸۔ قرآن مجید کے متعلق جو شبہات پیدا کئے جاتے ہیں اُن کو بہ آئین شائستہ زائل کرنا۔ اور ایسی چیزیں دنیا کے سامنے پیش کرنا جو عام فہم غلط فہمیوں کا ازالہ کرکے ہر ذی فہم انسان کو شیدائے اسلام بنا دیں۔

۹۔ مسلمات شیعہ سنی کے خلاف کوئی شے اس رسالہ میں درج نہ ہوگی

۱۰۔ اس رسالہ کے نامہ نگار اسلام کے سچے ہمدرد شیعہ وسنی حضرات جو ملک میں کافی روشناس ہیں ہونگے

۱۱۔ حضرات علمائے اعلام کثر اللہ امثالہم اپنے بیش بہا افادات سے اس رسالہ کی وقتاً فوقتاً اعانت فرماتے رہینگے

۱۲۔ غیر مسلم حضرات جو مشاہیر اسلام سے عقیدت رکھتے ہیں اُن کا کلام نظم ونثر اس رسالہ میں درج ہوا کریگا

نظام العمل

۱۔ یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کے آخری ہفتہ میں مدراس سے شائع ہوا کریگا۔

۲۔ سالانہ چندہ عام شائقین سے چار روپیہ ہوگا

۳۔ بیرون ہند سے ساڑھے سات شلنگ ہوگا۔

۴۔ یہ رسالہ مخصوص غیر مسلم اداروں میں اور کتب خانوں میں بلاقیمت بھیجا جائیگا۔

۵۔ بلا وصول قیمت پیشگی پرچہ روانہ نہ ہوگا جو حضرات وی پی کی اجازت دینگے انکا اخلاقی فرض ہوگا کہ واپس نہ فرمائیں

۶۔ جملہ خط وکتابت وارسال مضامین بنام مدیر ہونا چاہئے

۷۔ جملہ ارسال زر بنام مینجر ہونا چاہیئے۔

۸۔ جن حضرات کے پاس رسالہ آخر ماہ تک نہ پہونچے وہ صدر دفتر کو اطلاع دیکر منگا سکتے ہیں

چندہ سالانہ للعہ

بیرون ہند سے ۷ ر



اسلامی دنیا

بدایوں

زیر سرپرستی
حضرت قمر اوج عظمین شان الملت
ناصر الشریعت ثقۃ الاسلام مولانا مولوی
محمد لقاء علی صاحب حیدری
مدظلہ العالی

مسئول
پبلشر و پرنٹر مولوی سید
حکیم عنایت علی شاہ
نقوی ایل۔ ڈی۔ ری۔ ایم۔ ایس۔ ایچ
اے۔ ایچ پی لکھنؤ

جلد ۴ | فہرست مضامین بابتہ ماہ اکتوبر و نومبر ۱۹۴۰ء | نمبر ۸ و ۹

گزارش واقعی

گزشتہ دو سال کے عرصہ میں جس دور ابتلا میں ہمارے جرائد و رسائل مبتلا ہیں وہ ظاہر ہی کام کرنے والے طرح طرح کے مصائب میں گرفتار قومی ادارے مالی مشکلات سے آئے دن دوچار اور اسیر قومی درد اور جذبۂ مذہبی کا فقدان بالکل کریلا اور نیم چڑھا کا مصداق ہے۔ ہمکو یہ ذاتی تجربہ ہے کہ ہر رسالہ مالی مشکلات میں مبتلا ہی اور برابر کہیں پریس فنڈ کی کوشش ہی تو کہیں اشتہار کے حصول کی کوشش اور اخبار و رسائل کو کلید کامیابی قرار دیا جاتا ہے۔ کہیں ہر خریدار سے جدید ایک نئے خریدار کی فرمائش۔ ہمارے اخبارات اور رسائل کے پڑھنے والوں میں کم از کم ۵۰ فیصدی ایسے حضرات ہیں جو محض تبرکاً یا وضعداری کے پاس کی وجہ سے کسی قومی رسالے یا اخبار کے خریدار ہیں۔ روزانہ اخبار اُن کے شوق اخبار بینی کو پورا کرنے والے اور مضامین کی اہمیت پر نظر کرکے رسالہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھنے والے اصحاب کی تعداد دس فیصدی سے زیادہ نہیں نقد و تبصرہ کرنے والا تو ایک فیصدی مشکل سے ملیگا۔ اور اس نقد و تبصرہ کو خوشدلی اور خندہ پیشانی سے دیکھنے والے بہت کم نکلیں گے۔

ہم اپنے ایک محترم بزرگ کے ممنون ہیں، جنھوں نے ہمارے رسالہ پر دو سال تک نہایت زبردست تنقید اور تبصرہ کرکے ہم کو ہماری خامیوں پر متنبہ کیا لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ یہ مرض مزمن ہوگیا ہی اب اس طرف توجہ کم کردی پچھلے دنوں میں سنا تھا کہ سوء مزاج کی شکایت ہے۔ خداوند عالم شفا عطا فرمادے۔

اسوقت بھی باوجود طرح طرح کی دقتوں کے ملک میں خدا کے فضل سے ہمدردانِ مذہب و ملت کی کمی نہیں ہے۔ ہمارا رسالہ بعونہ باوجود اپنی غیر منظم حیثیت کے کس مپرسی کے عالم میں نہیں ہے ورنہ مذہب حقہ کے فدائی اس کی اشاعت میں کوشاں ہیں اور روز افزوں ہماری فہرست میں اضافہ ہورہا ہے ہم نے بار بار بذریعہ تحریر خاص و عام طریقہ پر ان حضرات کو متوجہ کیا جن کے ذمہ بقایا واجب ہے۔ اور اپنے مذہبی رسالہ کے اجراء میں کمی سرمایہ کو رکاوٹ ظاہر کیا۔ لیکن سوائے چند حضرات کے کسی نے توجہ نفرمائی جس سے بیحد نقصان ہو رہا ہی۔ براہِ کرم وہ تمام حضرات جنھوں نے سنین گذشتہ میں اپنا چندہ یا مصارف طبع بابت مرحمت نفرمائے ہیں اس رسالہ کے پہونچنے پر بذریعہ منی آرڈر روانہ فرمادیں۔ ورنہ

وی پی حاضرِ خدمت ہوگا اور اس صورت میں اگر وی پی واپس ہوا تو ہمارے ادارے کو مفت میں ایک قم کثیر نذرِ ڈاکخانہ کرنا ہوگی۔ جو حضرات رسالہ کو ضروری نہیں سمجھتے وہ براہِ نوازش ایک پوسٹ کارڈ بھیجکر ادارے کو شکر گذاری کا موقع عطا فرما دیں۔ کیونکہ رسالہ کو ہزاروں کی تعداد میں بلاضرورت شایع کرنا منظور نہیں ہے۔ اگر شائقین حضرات کی تعداد کم بھی ہوگی تو اجرارِ رسالہ پر اثر نہ ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

جن حضرات نے ابھی تک اپنے سوانح حیات روانہ نہیں فرمائے ہیں اور اُن کے نوٹ شایع ہو چکے ہیں وہ براہِ کرم جلد روانہ فرما دیں تاکہ قریب کی اشاعتوں میں شایع ہوسکیں۔

جو حضرات آئندہ حسین نمبر کے واسطے اردو و انگریزی۔ فارسی (نظم یا نثر) میں کچھ لکھنا چاہیں وہ جلد توجہ فرمائیں۔ انشاء اللہ آئندہ حسین نمبر ماہ فروری میں ضرور شایع ہوگا۔ بالتصویر ہوگا۔ اور اُمید ہے کہ سال ہائے گذشتہ کے مقابلہ میں اور زیادہ شاندار ہوگا۔

اس مرتبہ بھی بعض تصویریں بہت زیادہ اہم ہوں گی۔ اور مضامین انشاء اللہ سب کے سب اہم ہوں گے۔

والسلام

خاکسار

نائب مدیر

نقد و تبصرہ

حسینی قربانی

یہہ ایک مجموعہ سلام ہے جو ۱۱۲ صفحہ پر مشتمل ہے۔ آگرہ و دیگر مقامات کے ہندو مسلم حضرات کا مذہبی کلام مولوی سید غلام علی احسن صاحب وکیل شاہگنج آگرہ نے مرتب فرمایا ہے۔ چھ سال سے شاہگنج آگرہ میں اردو ادب کے قدردان عشرہ محرم کے بعد ایک بزم سالانہ منعقد کیا کرتے ہیں۔ جس میں مقامی و بیرونجات کے حضرات شعراء کو دعوت دیجاتی ہے۔ اس سال کی بزم سالانہ زیرِ صدارت ادب ادیب مولوی محمد سلطان حیدر صاحب جوش بی۔ اے۔ ایس۔ بدایونی منعقد ہوئی۔ جلسہ ہر طرح کامیاب رہا۔ اور فاضل صدر جلسہ کا خطبہ صدارت نہایت مہتم بالشان تھا۔ جسکو شارٹ ہینڈ رائٹر نے لکھا اور اس مجموعہ سلام کے ساتھ شایع کیا گیا ہے۔ چونکہ سلاموں میں تصرف کو دخل نہیں دیا گیا ہے۔ اس وجہ سے بعض مقامات پر غور و نظر کی ضرورت باقی رہ گئی۔ لیکن بزم ادب شاہگنج آگرہ کی یہہ کوشش ہر طرح قابل

ستائش اور لائق داد ہی۔ مجموعہ سلام مطبوعہ ۲۲×۱۸ تقطیع پر دیدہ زیب لکھائی چھپائی کے ساتھ شایع ہوا ہی۔ علاوہ ٹائیٹل کے ۱۱۲ صفحے ہیں اور قیمت صرف ۴ر ہے۔

ملنے کا پتہ

علوی اسٹور شاہگنج آگرہ

(مدیر)

"مولویت اور اسلام" مولفہ حاجی نبی احمد صاحب رئیس بریلی اسوقت ہمارے روبرو بغرض تبصرہ موجود ہی۔ حاجی صاحب نے اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے وہ درد دل کی بنا پر ہی۔

درحقیقت صدیوں سے نہیں بلکہ واقعی ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ گذرا مسلمانان عالم کے پاس صدہا کتابیں مختلف علوم و فنون کی زینت کتب خانہ بنی رہی ہیں۔ اور آج بھی یہی عالم ہی۔ سابق میں پڑھے لکھے آدمی حکومت کے اثر سے مرعوب ہوکر دین کو دنیا کے لئے فروخت کرنے میں دریغ نہ کرتے تھے۔ اور اس بے باکی اور ناحق شناسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ صدہا نہیں ہزاروں کتابیں علم فقہ۔ تاریخ۔ تفسیر اور حدیث وغیرہ میں ایسی موجود ہوگئیں کہ کسی بات کو بھی جانچنے اور اصل کا پتہ لگانے میں دقت ہی دقت ہے اس زمانہ کے مغرب زدہ حضرات کے عقیدے کے بموجب جو شخص نامی مولوی ہو۔ بس اس کا نامی ہونا کافی ہے۔ اب تحقیق اور تفتیش کی ضرورت نہیں ہی جو اس نے لکھہ دیا وہ اگرچہ خدا و رسول کے حکم کے خلاف بھی ہو لیکن چونکہ زمانہ موجودہ کے مولوی کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔ اس کی قیمت کے خلاف آواز بلند کرنا کفر کے مترادف ہے۔

ہم انشاء اللہ مستقل طور پر مختلف علوم و فنون کی کتابوں پر نقد و تبصرہ کریں گے۔ سردست ہم کتاب مندرجہ بالا پر اپنی رائے ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ مولف نے جس جوش اور خروش کے ساتھ یہ مختصر رسالہ لکھا ہی وہ مطالعہ سے ہی معلوم ہوسکتا ہے۔ ۸۰ صفحات لائبریری سائز پر طبع ہوا ہے لکھائی چھپائی معمولی ہی کاغذ ادنےٰ قسم کا ہے اور کتابت کی بھی کہیں کہیں غلطی رہ گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پروف مولف نے خود نہیں ملاحظہ کیا۔ لیکن اسکے ساتھ قیمت کچھ بھی نہیں ہے یعنی اپنے مطالب کی اہمیت۔ زبان کی سلاست اور روانی زبردست مطالعہ کے نتیجہ کو پیش کرنے کے باوجود صرف ۴ر ہے۔

ملنے کا پتہ

غالبًا بریلی ہوگا۔ کیونکہ آخری صفحہ پر چند دیگر تصانیف۔ حاجی صاحب کی فہرست بھی موجود ہے اور وہ سب کتابیں اگر اس پیمانہ پر لکھی گئی ہیں تو یقینًا قابل مطالعہ ہیں۔

بریلی نہیں تو نظامی پریس بدایوں سے ضرور مل سکیگا

(مدیر)

الہامی کلمات

(گذشتہ سے پیوستہ)

۵۱۔ العالم ینظر بقلبہ وخاطرہ الجاھل ینظر بعینہ وناظرہ۔

عالم چشم بصیرت سے بینا ہیں اور بے سواد چشم بصارت سے دیکھتے ہیں۔

۵۲۔ الصمت بغیر تفکر خرس

خموشی اگر فکر کے سبب سے نہ ہو تو گنگا ہونا ہے۔

۵۳۔ الغشوش لسانہ حلو وقلبہ مر

چاپلوس کی زبان شیریں ہے اور قلب تلخی سے بھرا ہے

۵۴۔ العفو تاج المکارم

درگذر کرنا بزرگی کے لئے تاج سر ہے

۵۵۔ الاحسان یستعبد الانسان المن یفسد الاحسان۔

احسان آزاد انسان کو بندہ بناتا ہے اور اس کا جتلانا احسان کو برباد کرتا ہے۔

۵۶۔ الخائف لاعیش لہ

ترساں کے لئے آرام و راحت نہیں ہے۔

۵۷۔ العلم تدل العقل فمن علم عقل

دانائی عقل کی رہنما ہے۔ پس جو صاحب علم ہے صاحب عقل ہے۔

۵۸۔ الکیس من کان یومہ خیرا من امسہ

باہوش وہ ہے جس کا آج کا دن آنے والے دن سے بہتر ہے۔

۵۹۔ الجاھل لایعرف تقصیرہ ولا یقبل من الناصح لہ۔

نافہم نہ تو اپنی لغزش کا معترف ہوتا ہے اور نہ کسی کی نصیحت قبول کرتا ہے۔

۶۰۔ الداعی بلا عمل کالقوس بلا وتر

مرد بے عمل جو طالب عمل غیر سے ہو کمان بے زہ کی طرح ہے

۶۱۔ الکلام غنۃ ما سھل علی النطق وخف علی الفطنۃ

حسن کلام یہ ہے کہ زبان پر بار نہ ہو اور فہم پر سبک ہو۔

۶۲۔ الحسد داء عیاء لایزول الا بھلاک الحاسد وبموت المحسود

حسد وہ موذی مرض ہے کہ جاتا ہی نہیں جب تک کہ دشمنی کرنیوالا یا جس سے دشمنی ہو مر نہ جائے۔

۶۳۔ الشریر لایظن باحد خیرا لانہ لایراہ بطبع نفسہ

شریر و بدنفس کسی کے ساتھ حسن ظن نہیں رکھتا کیونکہ اپنے نفس کی طرح نہیں پاتا۔

۶۴۔ الحازم لم یؤخر عمل یومہ الی غدہ

مردان کار آج کا کام کل پر اٹھا نہیں رکھتے۔

۶۵ العجلۃ مذمومۃ فی کل امر الا فیما یدفع الشر

جلد بازی ہر کام میں بری ہے مگر دفع شر میں

۶۶ الطمانینۃ الی کل احد قبل الاختبار من قصور العقل۔

ناآزمودہ پر پہلے سے مطمئن ہونا کمی عقل ہے۔

۶۷ الشرف بالھمم العالیۃ لا بالرمم البالیۃ

شرف و عزت عالی ہمتی ہے۔ نہ کہ اسلاف پر فخر و ناز کرنے سے۔

۶۸ القلب خازن اللسان اللسان ترجمان الانسان

دل خزانہ دار زبان ہے اور زبان دل کی ترجمان ہے۔

۶۹ الاصدقاء نفس واحدۃ فی جسوم متفرقۃ

سچے دوست ایک نفس ہیں جو کہ متفرق اجساد میں پائے جاتے ہیں مثل ہو ایک جان دو قالب

۷۰ الناس کالشجر شربہ واحد ثمرہ مختلف

انسان مثل درخت کے ہیں ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں مگر پھل مختلف ہوتے ہیں۔

۷۱ الکلام کالدواء قلیلہ نافع و کثیرہ قاتل

بات مثل دوا کے ہے جس کی مقدار مخصوص مدہ مند ہوتی ہے۔ اور زیادتی مار ڈالتی ہے۔

۷۲ العفۃ تضعف الشھوۃ

پاکبازی ہیجان شہوت کی مسکن ہے

۷۳ المزاح یورث الضغائن

مزاح دشمنی کی ورثہ دار ہے

۷۴۔ العاقل صندوق سرہ عجیب

خردمند وہ صندوق ہے جو حیرت انگیز رازوں سے بھرا ہوا ہے۔

۷۵ الصدق دواء منجح

سچائی ایسی دوا ہے جو رستگاری بخشتی ہے۔

۷۶ الفرصۃ تمر مر السحاب فانتھزوا فرص الخیر۔

فرصت ابر کی رفتار سے گذرتی ہے۔ لہذا کار خیر کے لئے تیار رہو۔

۷۷۔ العالم من عرف ان ما یعلم فی جنب ما لم یعلم قلیل

عالم وہ ہے کہ جو یہ جانے کہ وہ جو کچھ جانتا ہے اس سے جو نہیں جانتا ہے بہت کم ہے۔

۷۸۔ ارض للناس بما ترضاہ لنفسک

دوسروں کے لئے بھی وہی چاہو جو اپنے لئے چاہو۔ ہر کہ بر خود مپسندی بر دیگراں مپسند

۷۹ انتقم من حرصک بالقنوع کما تنتقم من عدوک بالقصاص

اپنے جذبہ حرص کو یوں پامال کر جیسے دشمن سے قصاص سے کر۔

۸۰۔ اذکر مع کل لذۃ زوالھا و مع کل نعمۃ انتقالھا

ہر لذت کے ساتھ اس کا زوال اور ہر نعمت کے ساتھ اسکا جانا یاد رکھو۔

۸۱ اکذب السعایۃ والنمیمۃ باطلۃ کانت ام صحیحۃ

سخن چین اور چغل خور کو خواہ سچا ہو یا جھوٹا جھٹلاؤ

۸۲ اشکر علی من انعم الیک وانعم الی من شکرک

اس کے شکر گذار ہو جو تم سے نیکی کرے اور اس سے نیکی کرو جو تمہارا شکر گذار رہے۔

۸۳ اضرب خادمک اذا عصی اللہ واعف عنہ اذا عصاک

خادم کو مارو اگر خدا کی نافرمانی کرے۔ اور اگر تمہاری خطا کرے تو معاف کرو۔

۸۴ استشر عدوک العاقل واحذر رأی صدیقک الجاہل

دانا دشمن سے مشورہ کرو اور جاہل دوست سے بچو

۸۵ اقبل عذر من اعتذر الیک۔

جو عذر خواہ ہو اسکا عذر قبول کرو

۸۶ ابذل لصدیقک کل المودۃ ولا تبذل لہ الطمانینۃ

دوست سے مروت میں کمی نہ کرو۔ مگر راز کہنے میں جلد مطمئن نہ ہو۔

۸۷ ارفق بالبہائم ولا تسؤ بلجمہا ولا تحمل علیہا فوق طاقتہا۔

چوپایوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرو۔ ان کے جسموں کو زخم نہ پہونچاؤ اور ان کی طاقت سے باہر بوجھ نہ لادو۔

۸۸۔ استشر اعداءک لتعرف من رایہم مقدار عداوتہم۔ ومواضع مقاصدہم۔

دشمنوں سے رائے لو تاکہ اُن کی دشمنی کا اندازہ اور ان کے نقطۂ نظر کو سمجھ سکو۔

۸۹ اسمع تعلم واسکت تسلم

سن لو کہ جان جاؤ مگر چپ رہو کہ محفوظ رہو۔

۹۰۔ اعدل تدم لک القدرۃ

ہمیشہ انصاف کرو تاکہ صاحب اقتدار رہو۔

۹۱۔ اکثر النظر الی من فضلت علیہ فان ذلک من ابواب الشکر۔

اکثر اس پر نگاہ رکھو جس پر خدا نے برتری دی ہو کیونکہ یہ ابواب شکر میں ایک باب ہے

۹۲۔ اتقوا اللہ الذی ان قلتم سمع وان اضمرتم علم

ایسے خدا سے ڈرتے رہو کہ اگر کچھ کہو تو وہ سنتا ہے اور اگر دل میں رکھو تو وہ جانتا ہے۔

۹۳ استعیذوا باللہ من سکر الغناء فان لہ سکرۃ بعیدۃ الافاقۃ۔

پناہ مانگو خدا سے اس مستی دولت سے جو بڑی دیر کے بعد اُترتی ہے۔ گر بدولت برسی مست نگردی مردی

۹۴ استحیوا من الفرار فانہ عار فی الاعقاب ونار یوم الحساب

شرم کرو فرار سے جو تمہارے اخلاف کے لئے سرمایۂ ننگ ہو۔ اور حشر میں شعلۂ جہنم سے دوچار کرے

۹۵ اظہروا سوء الظن منکم

اپنی طرف سے بدگمانی دور کرو۔ (باقی آئندہ)

حضرت مہدی موعود علیہ السلام

مسلمانوں کی جہاں اور طرح طرح کی بدبختیاں ہیں۔ وہاں یہ بھی ہے کہ صاف اور صریح احادیث کی موجودگی میں آئے دن قسم قسم کے معنی بیان کرنے میں طبع آزمائیاں کی جاتی ہیں۔ ظہور حضرت مہدی موعود علیہ السّلام کا مسئلہ بھی ایک معرکۃ الآرا مسئلہ ہے۔ مشاہیر علماء اسلام سلف سے آجتک اس مسئلہ پر مختلف قسم کی روشنی ڈالتے چلے آتے ہیں احادیث صحیحہ میں ایک آنے والے کا ذکر ہے اس کا نام حلیہ حسب نسب علامات ظہور اثرات وغیرہ سب کچھ درج ہیں لیکن پھر بھی کبھی مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مہدی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور کبھی سید محمد صاحب جونپوری۔ کبھی مہدی سوڈانی اور کبھی تماپوری۔ عوام کو خدا عقل سے کام لینے کی توفیق دے۔ کہ وہ ہر کھینچنے والے کے پیچھے نہ دوڑنے لگیں اور حق و باطل میں تمیز کریں۔

مندرجہ ذیل مقالہ میں ہم علماء اہل سنت کے نتیجۂ تحقیق کو پیش کرکے مسلمانان ہند سے درخواست کریں گے کہ وہ اس اہم مسئلہ پر ذرا غور کریں اور کسی صحیح نتیجہ پر پہونچنے کی کوشش کریں وما علینا الا البلاغ اسی سلسلہ میں یہ عرض کردینا بھی ضروری ہے کہ مندرجہ ذیل اقتباسات مولانا حکیم مرزا محمد نقی صاحب قبلہ زاد فضلہ کے رسالہ القائم سے لئے گئے ہیں۔ اس محنت و کد و کاوش کی داد کیلئے حضرت مولانا صاحب موصوف ہی مستحق ہیں ہمنے صرف ترتیب بدلکر اسی شئے کو پیش کیا ہے۔

والسلام۔ خاکسار محمد نثار علی حیدری

اسم مبارک

۱۔ تاج المرسلین رحمۃ اللعالمین نے ارشاد فرمایا اسکا نام میرا نام ہوگا۔ صحیح ابی داؤد پ ۲۷ کتاب المہدی۔ المہدی المحمود صفحہ ۱۰۸ سطر آخر مطبوعہ صدیقی پریس لاہور مسند احمد حنبل۔ ابو نعیم۔

۲۔ عن عبد اللّٰہ عن النبی قال یلی رجل من اہل بیتی یوا اسمہ اسمی۔ عبد اللہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم نے ارشاد فرمایا دنیا کا والی ہوگا میرے اہلبیت میں سے ایک مرد جسکا نام میرے نام کے مطابق ہی۔ صحیح ترمذی جلد ۲ ابواب الفتن باب ماجاء فی المہدی جائزۃ الشوذی صفحہ ۵۰ سطر ۲۲-۲۳ مطبوعہ دہلی۔

نسب

قال شیخ القطب الغوثی محی الدین ابن العربی

فی الفتوحات اعلموا انه لا بد من خروج المہدی لکن لا یخرج حتی تملا الارض جوراً ظلماً فیملوٴھا قسطاً عدلاً وھو من عترۃ رسول اللہ من ولد فاطمہ رضی اللہ تعالی عنھا جدہ الحسین بن علی بن ابی طالب ووالدہ الحسن العسکری ابن الامام علی النقی بالنون ابن الامام محمد التقی بالتاء ابن الامام علی الرضا ابن الامام موسی الکاظم ابن الامام جعفر الصادق ابن الامام محمد الباقر ابن الامام زین العابدین علی ابن الامام الحسین بن علی ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ یواطی اسمہ اسم رسول اللہ یبایعہ المسلمون بین الرکن والمقام

الشیخ القطب الغوثی سیدی محی الدین بن العربی نے فتوحات میں لکھا ہے۔ آگاہ ہو کہ مہدی علیہ السلام کا خروج ضروری ہے۔ لیکن اسوقت تک ظہور نہ ہوگا جبتک دنیا ظلم و جور سے نہ بھر جاوے پھر حضرت ظاہر ہو کر عدل و انصاف سے زمین کو مالا مال کردینگے۔ اور وہ رسالت مآب کی عترت سے ہیں۔ جناب فاطمہ کی اولاد سے اور ان کے جد حسین ابن علی ابن ابیطالب ہیں اور آپ کے والد امام حسن عسکری ابن امام علی نقی ابن امام محمد تقی ابن امام علی رضا ابن امام موسی کاظم ابن امام جعفر صادق ابن امام محمد باقر ابن امام زین العابدین علی ابن الحسین ابن علی ابن ابیطالب سلام اللہ علیہ و علیہم ہیں۔ ان کا اسم گرامی جناب خیر المرسلین خاتم النبیین خاتم المرسلین سید الاولین و الآخرین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ہے مسلمان ان سے رکن و مقام کے درمیان بیعت کرینگے مشارق الانوار باب ۲ فصل ۲ صفحہ ۱۲ سطر ۸ تا ۱۴ مطبوعہ مصر اسعاف الراغبین برحاشیہ مشارق صفحہ ۱۳۴ سطر ۲ تا ۱۲ الیواقیت والجواہر

ولادت باسعادت

المہدی ھو ولد الامام الحسن العسکری ولد لیلۃ النصف من شعبان سنۃ خمس وخمسین ومائتین وھو باق الی ان یجتمع بعیسی ابن مریم علیہ السلام

امام مہدی علیہ السلام امام حسن عسکری کی اولاد سے ہیں۔ ان کی ولادت شب نیمہ شعبان ۲۵۵ھ میں ہوئی اور وہ زندہ و باقی ہیں۔ تا آنکہ عیسی ابن مریم علیہ السلام کا نزول ہو اور ان کا ساتھ ہو۔ (مشارق الانوار باب ۲ فصل ۲ صفحہ ۱۲ سطر ۲۲ تا ۲۴ مطبوعہ مصر اسعاف الراغبین صفحہ ۱۳۳ سطر ۲۶ تا ۳۴ الیواقیت والجواہر) اسی کے مطابق شیخ عراقی کا ارشاد ہے اور یہی علی خواص اندلسی نے فرمایا ہے۔

۲. فالمعلوم المحقق عند ثقات ولادۃ القائم علیہ السلام کانت لیلۃ الخامس عشر من شعبان سنۃ خمس وخمسین ومائتین فی بلدۃ سامرا

ثقات سے کتب و صحائف حضرات کے نزدیک یہ خبر معلوم ہے اور امر محقق شدہ ہے کہ قائم آل محمد علیہ السلام کی ولادت باسعادت شب پانزدہم شعبان ۲۵۵ھ کو شہر سامرہ میں ہوئی [illegible]

(ینابیع المودۃ مطبوعہ قسطنطنیہ صفحہ ۵۲۱ سطر ۶ تا ۷ (۴۲

آپ اپنے وقت تک باقی رہیں گے

(۱) ھو باق الی ان یجتمع بعیسی ابن مریم علیہ السلام

(وہ جناب عیسیٰ علی نبینا و آلہ و علیہ السلام کے تشریف

آوری اور نزول تک باقی رہیں گے۔

(اسعاف الراغبین صفحہ ۱۳۲ حاشیہ مشارق

الانوار ب ۴ فصل ۲ صفحہ ۱۲)

(۲) وانہ لا امتناع فی بقائہ کبقاء عیسیٰ ابن مریم

والخضر و الیاس من اولیاء اللہ و بقاء الاعور

الدجال من اعداء اللہ و الا بلیس اللعین من اعداء

اللہ (حضرت کے زندہ رہنے کے دلائل لکھتے ہوئے

لکھتے ہیں۔ جناب مہدی علیہ السلام کے باقی رہنے

میں کوئی مانع نہیں جس طرح خدا کے دوست جناب

عیسیٰ و جناب خضر اور جناب الیاس ابھی تک

بقید حیات ہیں۔ دشمنان خدا میں سے اعور دجال

اور ابلیس لعین بھی زندہ ہے۔ جن کی بقاء و حیات

کتاب و سنت سے ثابت ہے (پھر اگر طول عمر

خلاف عادت ہے تو یہاں بھی ایسا ہی کہو) البیان

بحر ارجح المطالب صفحہ ۷۷۳ سطر ۲۲ تا ۲۴۔

(۳) (صاحب الانوار اللغۃ تحریر فرماتے ہیں) اسی

قبیل سے وہ شبہ ہے جو بعض نام کے سنی امامیہ پر

کیا کرتے ہیں۔ کہ اگر بارھویں امام اب تک زندہ ہیں

اور دنیا میں اب تک موجود ہیں۔ تو وہ کیا کھاتے

پیتے ہیں ان کو یہ خبر نہیں کہ خضر و الیاس بھی ایک

جماعت علماء اہلسنت و اولیاء اللہ کے قول پر

زندہ ہیں تو وہ جو کھاتے پیتے ہیں وہی امام بھی

کھاتے پیتے ہوں گے۔ حق تعالیٰ اس پر قادر ہے

کہ کسی بندہ کو بغیر غذا زندہ رکھے۔ یہ اعتراض بالکل

نادانی کا اعتراض ہے۔ لیکن ہم کو انکار نہ کرنا

چاہیئے۔ کہ امام محمد بن عسکری وہی امام مہدی

علیہ السلام ہیں شاید اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی زندہ

رکھا ہو۔ اور قیامت کے قریب ظاہر ہوں ایک

جماعت اولیائے کشف نے اسکا صحیح ہونا معلوم

کیا ہے اور ممکن ہے امام حسن عسکری کا ایک نام

عبد اللہ بھی ہو۔ اور قیامت کے قریب پیدا ہونے

سے انکا ظاہر ہونا مراد ہو۔

(انوار اللغۃ پ ۱۸ صفحہ ۲۰۴)

حلیہ مبارک

خلیفۂ الٰہی کے وہ خدوخال جو سید کائنات کی

صحیح تصویر آخر زمانہ میں دنیا کو دکھانے کے ذمہ دار

ہیں۔

(۱) عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ المھدی منی اجلی الجبھۃ اقنی الانف

یملاء الارض قسطاً و عدلاً کما ملئت جوراً و ظلماً

ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی میری اولاد سے

ہیں کشادہ پیشانی اونچی ناک والے عدل و انصاف

سے زمین کو بھر دیں گے جیسا وہ ظلم و جور سے بھری

تھی۔ المہدی الموعود صفحہ ۱۰۸۳ سطر ۱۶ - ۱۷ باب ۲

(اخرجہ الطبرانی و ابو نعیم و الدیلمی ارجح المطالب

صعہ ۳ سطر ۴ تا ۶

(۲) اخرج ابونعیم یبعث اللہ رجلا من عترتی افرق الثنایا اجلی الجبہۃ یملا الارض عدلا ویفیض المال فیضا واخرج الرویانی والطبرانی وغیرھما المھدی من ولدی وجھہ کالکوکب الدری اللون لون عربی والجسم جسم اسرائیلی ای طویل یملا الارض عدلا کما ملئت جورا یرضی بخلافتہ اھل السماء و اھل الارض و ر د الصافی حلیۃ انہ شاب العینین ازج الحاجبین اقنی الانف کث اللحیۃ علی خدہ الایمن خال علی یدہ الیمنی خال۔

تخریج کی ہے ابونعیم نے ضرور مبعوث فرمائیگا جل شانہ ایک مرد کو میری عترت میں سے جس کے اگلے دونوں دانتوں کے درمیان کے درمیان میں فاصلہ ہوگا۔ کشادہ پیشانی ہوگی۔ اس کی تخریج ابونعیم نے کی ہے اور وہ زمین کو جھلکا دیں گے۔ اور دریا دلی سے مال تقسیم فرمائیں گے۔ رویانی اور طبرانی وغیرہما نے تخریج کی ہے۔ مہدی (علیہ السلام) میری ولاد سے ہوں گے۔ اُن کا چہرہ چمکتے ستارہ جیسے ہوگا۔ رنگ عربی ہوگا۔ اسرائیلی جسم یعنی دراز قامت مملو کر دیں گے زمین کو عدل و انصاف سے جیساکہ وہ ظلم سے بھر گئی تھی زمین و آسمان کے رہنے والے انکی خلافت سے خوش ہونگے نیز حضرت حلیہ میں وارد ہوا ہے۔ جوان سرگیں آنکھیں ابروئیں قریب قریب ہونگی۔ لمبی بینی گھنی داڑھی ہوگی دہنے رخسار پر تِل ہوگا اور سیدھے ہاتھ پر تِل ہوگا مشارق الانوار صفحہ ۲ سطر ۳ تا ۱۸ اسعاف الراغبین حاشیہ مشارق صفحہ ۱۲۷

سطر ۸ تا ۲۲۔

(۳) یشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الخلق یشبہ الخلق ولن یشبہ منہ فی الخلق

ناک نقشہ جناب ختمی مرتبت اشرف الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ ہوگا اور سیرت قریب قریب ہوگی (کیونکہ سیرت میں جناب سرور عالم کا مثل نہیں ہو سکتا) مشارق الانوار ب ۴ فصل ۲ صفحہ ۱۲۲ سطر ۱۴۔ ۱۵۔ اسعاف الراغبین صفحہ ۱۳۴ سطر ۱ تا ۳۴۔

کیا کہنا اس حلیہ مبارک کا اس نے کا ذبین کی قلعی خوب کھولی۔ اور مسلمین کے لئے نہایت درجہ اطمینان دہ ہے۔ اس کی اطاعت مسلمانوں پر فرض ہے جو شخص سرور دوجہاں کی صورت و سیرت کا حامل ہوگا اس کو دعوے کی ضرورت ہی نہیں۔ خود اہل نظر بیعت کے لئے اپنے ہاتھ بڑھائیں گے

ظہور

عبد اللہ ابن عمر کہتے ہیں کہ جناب خاتم الانبیاء نے ارشاد فرمایا کہ مہدی ظاہر ہوگا اور اس کے سر پر ابر سایہ فگن ہوگا۔ منادی غیب ندا کریگا یہ مہدی خدا کا خلیفہ ہے اسکا اتباع کرو۔ اخرجہ ابونعیم والسیوطی فی عرف الوردی فی اخبار المہدی

ارجح المطالب صفحہ ۷۷۳

نئی روشنی

مکرمی و محترمی جناب حیدری صاحب دامت فضلکم۔

رسالہ موصول ہوا۔ شکریہ۔ رسالوں میں مضامین دیکھتا ہوں اور خون کا گھونٹ پی کر خاموش ہو جاتا ہوں۔ کیا کروں نہ دماغ کام کرتا ہے۔ نہ حواس یاری دیتے ہیں۔ نہ وقت ہے نہ فرصت اگر کوئی تحریر کرنے والا میرے ساتھ ہوتا تو دل کا اظہار کاغذ پر کر سکوں کیا کروں مجبور ہوں اب بینائی بھی جواب دے چکی ہے۔ لکھنا بہت دشوار ہے۔ مگر دل کو ٹھیس پہنچی کچھ درد کا اظہار کیا ہے۔ جو ہدیہ کرتا ہوں۔ مسودہ تو کر لیا مگر نقل کون کرے۔ لہٰذا یہ اصل مسودہ ہی پیش کر رہا ہوں اگر مناسب سمجھیں تو آپ اپنے رسالہ میں شایع کر دیں۔ اور اگر پسند فرمائیں تو سلسلہ جاری ہے مضمون بہت طویل ہے اگر لکھا جاوے۔ تو سیکڑوں صفحے کالے ہو جائیں۔ مگر مجبوری کی وجہ سے جو کچھ بھی ہو سکے گا پیش کروں گا۔ خیر و عافیت مزاج سے مطلع فرمائیں۔ ایک نظر غور سے اس مضمون کو ملاحظہ فرمائیں۔ اگر کہیں کوئی حرف رہ گیا ہو یا مقدم و موخر ہو گیا ہو درست فرمالیں عنایت ہوگی۔ والسلام۔ امید ہے کہ جملہ متعلقین حضور صاحبزادی صاحبہ بخیر ہیں

خادم اثم شعار احمد نقوی ٹیکنیکل انجینیر

مندرجہ بالا خط کے ساتھ ذیل کا مضمون کراچی سے واپس آ کر ملا۔ جناب سیّد شعار احمد صاحب نقوی امروہوی ٹیکنیکل انجینیر ملتان چھاؤنی آن جناب نادر الوجود ہستیوں میں سے ہیں جن پر انسانیت جسقدر ناز کرے وہ کم ہے۔ ایک معزز عہدہ پر فائز ہو کر ایسی زاہدانہ اور سادہ زندگی بسر کرنا آپ ہی کا کام ہے یقیناً آپ کی شخصیت قابل تقلید اور قابل مثال ہے۔ اسلام کا درد آپ کے سچے اور پر خلوص دل میں ہے اور آپ جانتے ہیں کہ تمام دنیا کے مسلمان سچے مسلمان نہیں۔ خدا سب کو توفیق دے۔ ہم آپ کا مضمون جنت شایع کر کے اُمید وار ہیں کہ آئندہ اس سے زیادہ شاندار فیلط ناظرین کے روبرو پیش کر سکیں گے۔

خاکسار

حیدری

نئی روشنی

فی زمانہ ہر طرف نئی روشنی کا چرچا ہے۔ اخبار و رسائل میں گرما گرم مباحثے ہیں۔ کوئی تمدن مغرب کی موافقت و تائید میں مضامین لکھ رہا ہے۔ تو کوئی نئی تہذیب کے خلاف ہائے واویلا مچا رہا ہے۔ اب اس کا فیصلہ کیسے ہو کہ کون صحیح کہتا ہے۔ شمع آزادی کے پروانے روایات کے بجائے درایت پیش کرتے ہیں اور وہ دکھلا دیتے ہیں کہ جن قوموں نے اس راستہ پر گامزن ہو کر ترقی کے مدارج کو طے کیا وہ کس قدر بلندی پر پہنچ گئے ہیں۔ آپ ہیں کہ پرانی بوسیدہ تہذیب کے دلدادہ اس تاریک گڑھے میں پڑے ہوئے ہیں جس میں سیکڑوں برس پیشتر تھے۔

حامیان مذہب ان کو اپنی قدیم روایات کی کتابوں کی ورق گردانی کر کے کچھ روایتیں کاغذ پر نقل کر کے دکھلا دیتے ہیں۔ یا پڑھ کر سنا دیتے ہیں۔ بہت جوش اٹھا تو رسالوں میں مضامین لکھ دیئے کہ اس زمانہ میں الحاد و دہریت کا چرچا ہے۔ تاریکی کا دور دورہ ہے۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کے فرقوں نے اپنے اپنے گروہ کے لئے کیا کام کیا۔ سنیوں کو سنی اور شیعوں کو شیعہ رکھنے کے لئے کونسی کوشش کی۔

خواب غفلت سے جگایا جا رہا ہے کہ مسلمانوں اٹھو اپنے بھائیوں کی خبر لو ورنہ یہ اسلام کو بھی خیر باد کہہ دیں گے۔ مشکل تو یہ آ گئی کہ کفر و ارتداد کے فتنے کی تلواریں تو اب بالکل کند اور ناکارہ ہو چکیں ہر شخص کو اپنے خیالات کے اظہار کی آزادی ہے۔ اب اس سے تو کوئی ڈرتا نہیں۔ اب بتلایئے کہ ایک زرق برق موٹر کار، پرواز کرتے ہوئے ہوائی جہاز، تیز رفتار ریل گاڑی، جو دیکھنے والے کی توجہ کو برق کی سرعت رفتار سے اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ ان کے مقابلہ میں آپ کی بوسیدہ روایات کیا کام دے سکتی ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ بنیا گڑ نہ دے مگر گڑ کی سی بات تو کہہ دے۔ یہاں وہ بات بھی نہیں۔ کم از کم ایسی بات تو لوگوں کے سامنے پیش کیجائے جو ان کی عقلیں تسلیم کر لیں۔ محض بشارت اور انذار کی روایات سے کیا کام چل سکتا ہے۔ نئی روشنی کی تعریف میں کوئی کہتا ہے کہ اس برقی روشنی نے قلوب کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ جن کے بند ہو جانے سے حق و باطل کی تمیز نہ رہی۔ مگر ان چھینٹوں سے کام نہیں نکلتا۔ آخر اس کا سبب کیا ہے۔ اور دنیا کیوں نئی تہذیب کی طرف جا رہی ہے اس پر ہم غور نہیں کرتے۔ اگر کہا جائے کُلُّ جَدِیْدٍ لَذِیْذٌ تو یہ کلیہ بھی صحیح نہیں ہوگا۔

معاملہ یہ ہے کہ درخت کی جڑ کو اگر دیمک لگی ہو۔ اس کو سینچنے یا پتوں اور شاخوں پر پانی چھڑکنے سے کبھی کوئی فائدہ مترتب نہیں ہو سکتا روشنی کا مقابلہ روشنی سے ہی کیا جا سکتا ہے دن میں ہزار چراغ جلائیں بجلی کے قمقمے روشن کر دیں مگر ایک پروانہ بھی نہ آئے گا اندھیری رات میں

معمولی چراغ پر ہزاروں کیڑے مکوڑے جمع ہو جاتے ہیں۔ اور چراغ کی لو کو روشنی کا دروازہ سمجھ کر اس پر دیوانہ وار گرتے ہیں۔ اور فنا ہوتے ہیں۔ کیا کوئی ایسی تدبیر ہے جو پروانوں کو چراغ پر آنے سے روک سکے۔

آدمی بھی اسی طرح تاریکی سے گھبرا کر روشنی کی طرف جانا چاہتا ہے۔ اور پروانوں کی طرح انکو بھی نہیں معلوم کہ اس کا انجام کیا ہے۔ اگر ہمارے پاس زیادہ تیز روشنی دکھلانے کو نہ ہو تو کم از کم ان کو اتنا سمجھا ہی سکیں کہ اسکا انجام جل کر خاک ہو جانا ہے۔ اگر کسی شخص کو یہ یقین ہو جائے کہ یہ روشنی جو دور سے نظر آ رہی ہے آگ کی روشنی ہے۔ جو جنگل میں لگی ہوئی ہے تو وہ ہرگز جنگل کی طرف نہ جائے گا۔ اس لئے کہ جانتا ہے کہ جنگل کی آگ ہلاک کر دینے والی ہوتی ہے

اب دیکھنا یہ چاہیئے کہ لوگ پروانوں کیطرح بے تحاشا نئی روشنی کی طرف کیوں جا رہے ہیں اس کا سبب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ پرانی روشنی ماند ہو چکی۔ اور لوگ کئی صدی سے تاریکی میں پڑے تھے۔ روشنی نظر آتے ہی اس کی طرف دوڑ پڑے اگر ہمارے پاس فانوس عمل میں نور ایمان چمکتا ہوتا۔ اور وہ دکھلا سکتے تو جس شخص کو اس کی ایک جھلک بھی نظر آ جاتی اس پر کسی تیز سے تیز مادی روشنی کا بھی اثر نہ ہوتا۔ مگر افسوس تو اسی بات کا ہے کہ ہمارے قلوب نور ایمان اور دماغ روشنی علم سے مدت کے خالی ہو چکے۔

میرے اکثر برادران مجھ سے ناراض ہوں گے کہ میں ایسی کڑوی بات کہہ رہا ہوں۔ مگر کیا کروں مجبور ہوں اس لئے کہ تمام مسلمان برادران کیطرح ہر مسلمان کو مومن سمجھنا مشکل اور شیعہ بھائیوں کی طرح علی ولی اللہ کہنے والے کو مومن جاننا دشوار ہے۔ ایک جملہ معترضہ ہے۔ اس وقت اصل مقصود سے دور لے جائے گا مگر اب چونکہ ذکر آ ہی گیا لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند سطور ہدیہ ناظرین کی جاویں۔ پھر اصل مضمون کی طرف رجوع کروں۔

ہر مسلمان شیعہ ہو یا سنی مقلد ہو یا غیر مقلد اس کو تو ضرور ماننا ہوگا کہ قرآن خدا کا کلام ہے اب ناظرین خود ہی غور فرمالیں کہ قرآن جو علامات مومن کی بتلائے وہ صحیح ہے۔ یا جو ہمارے فرقہ کے لوگ بتلا دیں وہ درست ہے۔ اپنے منہ میاں مٹھو بننا آسان ہے کیا اگر کوئی شخص یہ یقین کرے کہ میں ہندوستان کا بادشاہ ہوں۔ تو کیا اس کو کوئی فائدہ پہونچ سکتا ہے۔ یہ تو بڑی بات ہے اگر کوئی شخص یہ یقین کرے کہ میں پولیس کا سپاہی ہوں یا کسی عدالت کا چپراسی ہوں تو تمام عمر کبھی بھی اس کو کسی قسم کا فائدہ ہو سکتا ہے ہرگز نہیں جب تک عدالت کی تصدیق نہ ہو حکومت کی تائید نہ ہو۔ کوئی شخص پولیس کا کانسٹبل یا چپراسی کیسے ہو سکتا ہے۔

ہم نے اتنا ہی کافی سمجھ لیا ہے کہ چونکہ ہمارے

بزرگ کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں۔ اس لئے یقیناً ہم مومن ہیں۔ مگر ہم نے کبھی اس پر غور نہ کیا کہ ہمارے بزرگ اگر ہم کو کسی حکومت کا عہدہ دار کہنے لگیں تو کیا ہم صرف ان کے کہنے سے حکومت کے عہدہ دار بن جائیں گے۔ ایسی باتوں پر غور کرنا نفس کب گوارہ کرتا ہے۔

مفت میں جنت کے مالک بن بیٹھے تمام جنت اپنی ملک ہو چکی ہے۔ بھلا کون بے وقوف ایسا ہوگا جو آئی ہوئی چیز کو ہاتھ سے کھو دے۔ اسقدر آسان چیز جس کے لئے لگے ہلدی نہ پھٹکری۔ بس یہ کہہ دیا کہ ہم مسلمان ہیں اور مل گئی راحت ابدی

دنیا میں اگر چار پیسے کوئی شخص کمانا چاہتا ہے تو کم از کم جنگل جاوے گھاس کھودے جمع کرے اٹھا کر بازار میں لائے۔ خریدار بھی آجائیں معاملہ کرے۔ گھاس اٹھا کر خریدار کے مکان تک لے جائے تب کہیں چار پیسے ہاتھ آویں۔ وہ بھی یقینی نہیں کہ پورے ملیں یا نہ ملیں۔

مگر جنت کہ تمام روئے زمین کی شہنشاہیت سے جسکا ایک چشم زدن کا وقفہ کہیں اعلیٰ ہے اس قدر ارزاں ہو کہ بغیر کسی محنت و جانفشانی کے ہاتھ آجائے۔ جزاکم اللہ

ہم کو چاہئے کہ جس حکومت سے تعلق کا دعویٰ کریں۔ اسکا قانون بھی تو دیکھیں کہ آیا ہمارے کوالیفیکیشن ایسے ہیں کہ ہم اس جگہ کی امیدواری کر سکیں۔ آیئے جس پر ایمان لانے کا ہم کو دعویٰ ہے اس کی کتاب میں دیکھیں کہ ایمان داروں کی صفات اس نے کیا بیان کی ہیں اور جنت کن لوگوں کے لئے ہے۔

جنت کے لئے تو یہی کافی ہے تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝ (یہ آخرت کا گھر تو ہم نے ان لوگوں کے لئے قرار دیا ہے جو کسی بلندی کے دنیا میں خواستگار نہیں ہوتے اور نہ فساد کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور عاقبت تو متقین ہی کے واسطے ہے۔

ہم اگر جنت کے دعویدار ہیں تو کم از کم اپنے دل کی گہرائی میں یہی تلاش کریں کہ ہم کو دنیا میں نام و نمود و عزت و شہرت حاصل کرنے کی خواہش تو نہیں ہے۔ ہمارا دل یہ تو نہیں چاہتا کہ لوگ ہم کو برا نہ سمجھیں۔ ہم اپنے عیوب پر جھوٹ اور فریب سے پردہ ڈال کر دنیا کی نظروں میں اچھا بننا چاہتے ہیں یا نہیں۔

واعظ ہو یا ذاکر، عالم ہو یا جاہل فقیہ ہو یا وکیل بادشاہ ہو یا گدا۔ صناع ہو یا پیشہ ور غرضیکہ کوئی بھی ہو ہر شخص کے لئے لازمی ہے کہ وہ اپنے نفس سے خود محاسبہ کرے۔ کہ اے نفس امارہ یہ تو بتلا تجکو دنیا میں بلندی نام و نمود حاصل کرنے کی خواہش ہے یا نہیں۔ اب رہا فساد اس کے متعلق تو ایک جداگانہ رسالہ کی ضرورت ہوگی۔

لہذا اس پر بحث چھیڑنا یہاں بیکار ہے۔ چونکہ نہایت اختصار مقصود ہے۔ لہذا اب کچھ ایمان کے متعلق بھی لکھیں۔ قرآن حکیم نے دو مقام پر کلمہ انما کے ساتھ جو کلمہ حصر ہے مومنوں کا ذکر کیا ہے۔ یہاں صرف ایک ہی پر اکتفا کرنا پڑتا ہے

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ (سوائے ان کے اور کوئی مومن ہے ہی نہیں کہ جن کے سامنے جب خدا کا ذکر کیا جاوے تو ان کے قلوب لرز جاویں۔)

ہاں برادران کہاں ہیں ایسے قلوب کیا ہمارے دل ایسے ہی ہیں کہ اس کا نام سنتے ہی تھرانے لگیں اب ہم کو غور کرنا چاہیئے کہ ہمارا دعویٰ ایمان کہاں تک درست ہے۔

مالک تو کہے کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ میرا۔ اور ہم کہیں کہ یہ میرا اور وہ میرا اور پھر ہم ہیں مسلمان وہ تو کہے عزت تمام کی تمام اللہ ہی کے لئے ہے۔

قل العزۃ للہ جمیعا وہ تو فرمائے ھو العزیز الحکیم وہی عزت والا اور حکمت والا ہے اور ہم خود عزیز و حکیم بنے بیٹھے ہوں۔

مسلمانوں خدا سے ڈرو کیا فرعون و شداد بروز قیامت یہ نہیں کہہ سکتے کہ بار الہا اگر ہم نے خدائی کا دعویٰ کیا تو ہم دل میں اقرار کرتے تھے کہ ہم جھوٹے ہیں اور خدا تو ہی ہے مگر یہ تیرے بندے جو تجھ کو عزیز و حکیم کہتے تھے۔ دل میں عزت والا اور حکمت والا اپنے کو سمجھے ہوئے تھے۔ زبان سے اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے سب سے بڑا اپنے ہی کو سمجھتے تھے ہمارا جرم تو ان سے کہیں کم ہے۔ میرے برادران اسلامی اس کا جواب سوچ رکھیں۔

یہ تو تھا ایک جملہ معترضہ اب اصل مضمون کی رجوع کرتا ہوں۔ کہنا یہ تھا کہ ہم نے روشنی علم اور نور ایمان کو کھو دیا۔ جس کی وجہ سے نئی مادی روشنی نے ہماری آنکھیں خیرہ کر دیں۔ اور لوگوں کے اس طرح تمدن مغربی کی طرف جذب ہونے میں ان کا کوئی بڑا قصور بھی نہیں ہے۔

اس لئے فطرت انسانی کا مقتضا ہے کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(باقی دارد)

انشاء اللہ تعالیٰ ماہ فروری نمبر حسین نمبر حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی یادگار میں اپنی کامل خصوصیات کے ساتھ شائع ہوگا اہل قلم حضرات اپنے قلمی شاہکار اردو۔ انگریزی۔ فارسی (نظم یا نثر میں) جلد از جلد مرحمت فرمائیں۔

مدیر

سلام ہو شہیدان کربلا پر

حضرت علامہ ابو البیان آزاد حنفی۔
مدیر رسالہ تیغ دہلی

سلام ہو کربلا کے ان مقدس شہیدوں پر جنہوں نے جان دے دی مگر شیوۂ حق پرستی ہاتھ سے نہ دیا۔

سلام ہو استقامت بالصبر کے ان ابدی محبوبوں پر جن کے خون کا ہر قطرہ آیۂ صبر کی مکمل تفسیر ہے۔

سلام ہو ان پرستاران حق پر جن کے سروں نے خاک پر لوٹ کر حیات جاودانی کے بلند و بالا ایوان پر اپنے خون سے گلکاریاں کیں۔ مگر کسی طاغوتی قوت کے سامنے نہ جھکے

سلام ہو شجاعت کے ان تحیر خیز پیکروں پر جنہوں نے ایمان کی تلواریں سونت کر لشکر کثیر کا مقابلہ کیا۔

سلام ہو کربلا کے اس مجاہد اعظم پر جو دوش نبی کا راکب تھا۔

سلام ہو اس سرتاج عارفان پر جن بھوکا تھا پیاسا تھا اپنی نگاہوں سے اپنے عزیزوں کی لاشیں خاک و خون میں تڑپتے دیکھتا تھا مگر اس کے قدموں کو جادہ استقامت سے لغزش نہ ہوتی تھی۔

سلام ہو اس شہید مظلوم پر جس کی مظلومیت کا شاہد کائنات کا ایک ایک ذرہ ہے۔

سلام ہو اس سرور گلگوں قبا پر جس کے خون مقدس کی سرخی آج تک دامن شفق میں پوشیدہ ہے۔

سلام ہو تشنہ لب غریب الوطن پر جس کے غم میں آج تک سپیدۂ سحری کا منھ فق ہے۔

سلام ہو شہید حر پر جس نے راہ حق میں دنیاوی عزتوں کو ٹھکرا دیا۔

سلام ہو عباس علمدار پر جس نے برادرانہ الفت اور وفاداری کی تحیر خیز مثال دنیا کے سامنے پیش کی۔

سلام ہو قاسم ابن حسن پر جن کے سینہ سے نکلی ہوئی خون کی دھار بلند ہو کر حق و صداقت کے گرتے ہوئے ایوان کے لئے سہارا بن گئی۔

سلام ہو ہم شبیہ رسول اکرم پر جس نے اپنی تین دن کی پیاس برچھی کے پھل سے بجھا کر

بتا دیا کہ امت محمدی کے نوجوان کیسے صابر و شاکر ہوتے ہیں۔

سلام ہو عون و محمد پر جنھوں نے بے خبر دنیا کو اپنے خون کے چھینٹے دے دے کر یہ نظارہ دیکھنے کے لئے خواب غفلت سے بیدار کیا۔ کہ خاندان رسالت کے کم سن بچے ایسے حق پرست ہوتے ہیں۔ اور مسلمان اُن کے نقش قدم پر چل کر مسلمان بن سکتے ہیں۔

سلام ہو اصغر کی ننھی سی لاش پر جو شہید اعظم کے مظاہرہ صبر کا حیرت انگیز شاہکار ہے۔

سلام ہو سیدہ سکینہؓ پر جن کے مقدس رخساروں پر ظالموں کے طمانچہ کا ہر نشان کفر کے لئے پیام مرگ ہے۔

سلام ہو حجازی سردار کی عجمی دلہن شہر بانو رضؓ پر جس نے اپنے شوہر کے مقدس مشن کو کامیاب بنانے کے لئے اپنی کوکھ بھی اُجاڑی اور سہاگ بھی اُجاڑ دیا۔

سلام ہو سیدہ زینب پر جنھوں نے یزید کے بھرے دربار میں حق پرستی کے جوہر دکھا کر خواتین کی عظمت میں چار چاند لگا دیئے

سلام ہو اس محبت نواز بہن پر جس نے اپنے بھائی پر اپنے کلیجے کے دو ٹکڑے قربان کر دیئے۔

سلام ہو کربلا کے بیمار و ناتوان زین العابدین پر جسے پانی بھی نصیب نہ تھا۔ مگر بستر علالت پر جس کی ہر کروٹ کتاب صبر کے اوراق مرصع کر رہی تھی۔

سلام ہو اُن انصار و یاران حسین پر جنھوں نے دنیا کے سامنے محبت اور وفاداری کی وہ مثال پیش کی جس کا جواب دنیا قیامت تک پیش نہ کر سکے گی

سلام ہو کربلا کے اس تپتے ہوئے ریگستان پر جس کی پیاس تشنہ لب شہدائے اسلام کے مقدس خون سے بجھی۔

قسم ہے قرآن نازل کرنے والے خدا کی قسم ہے ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ الخ حسین اور یاران حسین زندہ ہیں۔ اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔

(ماخوذ)

اسلامی دنیا دی اسلامک ورلڈ کے بہی خواہ حضرات اپنی ذمہ داری کو محسوس فرماتے ہوئے اپنا زر چندہ بذریعہ منی آرڈر روانہ فرمادیں۔

آئندہ حسین نمبر میں اشاعت کے واسطے تو مضامین مصارف طبع ٹکٹ جلد از جلد روانہ فرمادیں۔ وقت بہت کم رہ گیا ہے۔

منیجر

حسنِ سخن

در مدح ولادت حضرت علی علیہ السلام

(از رئیس الشعراء حضرت رزم ۔ ردولوی زاد فضلہ)

خسروِ خاور ہوا چرخ پہ جلوہ فگن
روئے زمیں پہ گری ٹوٹ کے ہر ایک کرن

روشنیٔ ماہتاب ہوگئی بے آب و تاب
شمس ہوا بے نقاب صبح ہوئی ضو فگن

کوکبِ اقبالِ شب آگیا گردش میں جب
ڈوب گئے نجم سب سرد ہوئی انجمن

چادرِ شب تار تار ہوگئی سب ایک بار
شمس ہوا [illegible] گیا لطف انجمن

آئی نسیم سحر پھیلی شمیم سحر
لطفِ عمیم سحر ہونے لگا خیمہ زن

کھول کے زلف ایکبار آئی عروسِ بہار
ہیں جو شجر مشکبار باغ ہے مشکِ ختن

برگ لگے جھومنے گوہرِ شبنم گرے
غنچۂ تو ہنس پڑے لٹ گیا مالکِ عدن

آنکھ کئے نیم باز نرگسِ افسوں نواز
کرتی ہے سو فخر و ناز دیکھ کے حسنِ چمن

سروِ سہی قد نہال رنگِ خزاں پائمال
دیکھ کے سنبل بحال زلف شکن در شکن

ہوگئی باد بہار غنچہ و گل پہ نثار
کھل گئے سب ایک بار یاسمن و نسترن

سرخیٔ رخسارِ یار کیفیتِ لالہ زار
رنگِ چمن پہ نثار لاکھ عقیقِ یمن

آئینۂ حسنِ حور روشنیٔ شمعِ طور
منزلِ نو پہ شکن روئے عروسِ چمن

سرخیٔ کیف خمار غیرتِ صد لالہ زار
منظرِ چشمِ نگار ساغرِ نو بہ شکن

فکر ہے تیری رسا جعفرِ رنگیں نوا
کوئی غزل اب سنا چھوڑ یہ طرزِ سخن

مطلع

تیغ اٹھا کر چلا غیظ میں جب تیغ زن
اور بگڑ کر بنی زلف شکن در شکن

رشتۂ رگِ جاں سے ہے رشتۂ زنار کا
اوبت کا فر ادا ہوگئے ہم برہمن

کشتۂ تیغِ ادا صیدِ کمندِ جفا
مرتا ہے اک باوفا اوبت وعدہ شکن

جب دو ستار ادھر رشتۂ زنار ادھر — دونوں گرفتار و منع شیخ ہوا برہمن
سلسلہ یاس سے ہوں میں اسیر الم — رشتۂ تار نفس میرے لئے ہے رسن
صبح نمودار ہے شام کا پہلو لئے — رخ پہ نہیں ہالہ سان زلف سیہ پرشکن
سبزۂ نوخیز کی خال دل آویز کی — چہرۂ رنگیں پہ ہے کیسی غضب کی پھبن
اٹھی وہ ہمت فزا کعبہ سے کالی گھٹا — اسپہ ہوائے خنک آئی وہ توبہ شکن
جھومی جو میخانہ پر گردش ساغر کے مثل — غنچۂ دل کھل گیا مٹ گئے رنج و محن
خم سے وہ نکلی پری شیشہ میں منہ دیکھنے — حلقۂ ساغر میں پھر ہوگئی پرتو فگن
ساغر مینا ساس رنگ بدلنے لگا — سرخی مے دیکھ کر ہنس پڑے غنچہ دہن
مایۂ خوشبوئے حور خنکی کا نور نور — مرکز کیف و سرور بن گئے عروس چمن
شہد مسرت سے دور ہوگئی تلخی غم — کعبہ میں پیدا ہوئے حیدر خیبر شکن

مطلع نو چاہیئے جعفر رنگیں بیاں
مدح علی سے بڑھے حسن عروس چمن

باعث ایجاد خلق موجد ہر علم و فن — زیب کنار نبی آج ہوئے بوالحسن
علم الٰہی سے تھے مالک ملک سخن — رونق شاہی پہ تھے صاحب خلق حسن
انپہ نبوت کو فخر ان پہ امامت کو ناز — تھے یہ نبی و وصی خاص خدائے زمن
خلق میں معروف ہیں عدل میں مشہور ہیں — سب سے الگ تھی روش سب سے جدا تھا چلن
اُن کا طریق کلام شرح کلام خدا — نہج بلاغت ہے یا علم کا تازہ چمن
نور سے اُن کے ہوں خلق جبکہ مہ و مہر و نجم — رجعت خورشید پر کیا ہو مجال سخن
ملک شجاعت میں تھا انکا ہی سکہ رواں — بت شکن و صف شکن لاکھوں میں اک تیغ زن

طبع رسا پر بھلا کیوں نہ ہو جعفر فدا
مطلع نو سے بڑھا اور بھی حسن سخن

زہد و عبادت میں تھے مثل رسول زمن — زور خداداد سے حیدر خیبر شکن
دل کا اشارہ ہے اب مدحت حاضری ہو — خانۂ دل میں کوئی ہو گیا جلوہ فگن
راہ پہ توحید کی تو جو ہوا گامزن — نذر خدا کر دیئے قلب جگر جان و تن
باغ فصاحت میں ہیں بلبل شیریں سخن — رونق ممبر ہے تو لحبہ رسول زمن

زور سے تیرے ہوئے سارے زبردست زیر
شیر گرسنہ ہے تو بہر عدوئے رسول
راہ میں اسلام کی بیٹوں کو صدقہ کیا
غیر مورخ بھی ہیں مدح میں طب اللساں
زور و شجاعت میں یہ غیرت رستم ہوئی
اس کے سوا یا علی اور سمجھے گیا کہیں
ایسے سلف کس کے تھے جنکا نبی مدح خواں
خانہ اللہ ہے مولد و مقتل ترا

تیرے سبب سے مٹے ملک عرب کے فتن
سہرا رفاقت کا ہی تیرے ہی سر بوالحسن
خون سے سینچا گیا دین خدا کا چمن
لکھ گیا کس زور سے دیکھو تو دست شکن
دیکھو تو تاریخ میں ہی یہی قول کہن
مظہر شان خدا نفس رسول زمن
اپنے خلف کس کے تھے جیسے حسین و حسن
اول و آخر ترا ایک ہی اے بوالحسن

مدح علی ہے محال کسکو ہے تاب مقال
جعفرا کیج مج بیاں روک سمند سخن

منقبت

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام

(از جناب منشی عنایت اللہ صاحب روشن حنفی بدایونی)

ہر گل میں تیری بو ہے ہر برگ میں نکہت ہے
ظاہر میں تو المثال ہی باطن میں خدا جانے
ہوں اس کے غلاموں میں مولا ہی علی میرا
طالب ہوں نہ دنیا کا خواہش ہی نہ دولت کی
ہی قدر علی اعلیٰ شان اسکی عجب پائی
مشکل میں وہ حامی ہی جب کوئی نہ اپنا ہو

یہ بھی ترا نقشہ ہی وہ بھی تری صورت ہی
عقدہ یہ نہیں کھلتا اک راز حقیقت ہی
وہ ساقیٔ کوثر ہی وہ مالک جنت ہی
ہاں آل محمد کی بے شبہ محبت ہی
قدرت کا تماشا ہے اللہ کی قدرت ہی
کام آئے مصیبت میں حیدر میں یہ ہمت ہی

درویش نوازی میں مشہور دو عالم ہیں
روشن کو بھی مولا سے امید عنایت ہے

ایضاً

جب دمِ نزع یوں پیرمرادم ہو یارب
شامل حال ترا فضل و کرم ہو یارب

زیر فرماں رہے ہر عہد میں اقلیم سخن،
بات رہ جائے زباں نوک قلم ہو یارب

گلفشاں ہو چمنستانِ سخن آتے بہار
دلکشا صورت گلزار ارم ہو یارب

سر کے بل مدحت حیدر میں رواں ہو خامہ
پیش و پس حد ادب سے نہ قدم ہو یارب

ہو نہ محتاج سوا تیرے کسی کا روشن
دستگیر اسکا ترا دست کرم ہو یارب

غزل

(جناب ارشدی فرزند و شاگرد رشید حضرت قمر الشعراء حضرت قمر بدایونی)

اگر اے ارشدی مولا کے قدموں تک رسائی ہو
تو پھر اب اس میں شک کیا ہو کہ جنت ہاتھ آئی ہے

محمد سے احد تک لیے بندو کی رسائی ہو
وساطت حیدر صفدر کی جن کے ہاتھ آئی ہو

علی کی تیغ سے کچھ نہ در جب چلتے نہیں دیکھا
صف کفار چیخ اٹھی کہ مولا کی دہائی ہو

زمانہ بھر کی مشکل میں کیلئے کام آتے ہیں
علی ہیں اک طرف اور اک طرف ساری خدائی ہو

انھیں دنیا نے دوں کیا اپنی آرایش دکھائیگی
کہ جنکے واسطے اللہ نے جنت سجائی ہے

بھلا میرا درا اس قابل کہ ایسی منقبت لکھتا
تری امداد نے مولا مری ہمت بڑھائی ہو

صفائی تیغ حیدر کی لکھی ہو ارشدی جب سے
طبیعت کی طرح میری غزل میں بھی صفائی ہو

جو حضرات اپنے اشتہارات اسلامی دنیا کے حسین نمبر میں درج کرانا چاہیں وہ منیجر سے براہ راست خط و کتابت کریں۔

اخلاق سے گری ہوئی کوئی شے درج اشتہار نہ ہو۔ اجرت طبع پیشگی آنا چاہیئے۔ یہ خصوصی نمبر ملک کے بہترین ہاتھوں میں جائے گا۔ اشتہار کے واسطے نادر موقع ہے اجرت طبع دوسرے تمام رسالوں سے کسی قدر کم لی جائے گی

منیجر

ایک یتیم بچہ کی عید

(از محترمہ جنابہ ح۔ ب۔ حیدری دختر جناب قمر الواعظین مولانا مولوی تقاعلی صاحب مدظلہٗ)

عید کے روز ایک بچہ کو آہ وزاری کرتے دیکھ کر میرا دل بھر آیا بے اختیار رونا آگیا۔ دامن صبر ہاتھ سے جاتا رہا۔ لیکن حجاب مانع ہوا دنیا سے دل ایسا بیزار ہوا کہ جی میں آیا کہ گوشہ نشینی اختیار کروں اور زندگی کے دو چار دن جو رہ گئے ہیں۔ ان کو خدا کی یاد میں گذاروں لیکن بزرگوں کے حکم کی تعمیل کی وجہ سے ایسا کرنے سے بھی قاصر رہی۔ اپنے جذبات کو ذیل کی نظم میں ظاہر کیا ہے

خاکسار۔ ح۔ ب۔ حیدری

اپنے مستقبل سے جو غافل ہیں اُنکی عید ہے
عیش دو روزہ پہ جو مائل ہیں انکی عید ہے

جن کے سب افعال لاطائل ہیں انکی عید ہے
نفس کے بندے جو الحاصل ہیں انکی عید ہے

عید اُن کی ہے مۓ عشرت سے جو سرشار ہیں
عید اُن کی ہے جو دنیا خواہ و دنیا دار ہیں

وہ منائیں عید جو خود رائے اور خود دار ہیں
وہ منائیں عید جو خوش حال ہیں زر دار ہیں

وہ منائیں عید جو سالار ہیں سردار ہیں
وہ منائیں عید جو آزاد و خود مختار ہیں

عید اُن کی ہو جنھیں دنیا کی دولت ہو نصیب
عید اُن کی ہو جنھیں عیش و مسرت ہو نصیب

عید اس کی ہو جسے قدرت ہو اور مقدور ہو
عید اس کی ہو کہ جس کا زر سے گھر معمور ہو

عید اس کی ہو جو رنج و غم سے کوسوں دور ہو
عید اس کی ہو خوش و خرم ہے جو مسرور ہو

عید اسکی ہو جو خوش بختوں میں ہو خوش آپ ہے
عید اسکی ہو کہ جس بچہ کے سر پر باپ ہے

مناجات

اپنی زندگی سے مایوس ہو کر خداوند عالم کی درگاہ میں التجا.

ح.ب حیدری

شکر ہے ہر حال میں اے کردگار — تو ہے غفار اور ہی آمرزگار
گر گناہوں پر نہ تو میرے نظر — رحم میرے حال پر اے دادگر
درپئے آزار ہے اب یہ مرض — یا خدا تجھ سے ہی میری یہ غرض
درد کا درماں میرا کوئی نہیں — جز ترے اب آسرا کوئی نہیں
مرگ سے ڈرتی نہیں ہوں میں مگر — فکر ہے اسکی کہ بوڑھے ہیں پدر
ان کی سب دلدادہ میں ہوں بڑی — اس سبب سے ہی عنایت ہر گھڑی
غم میں میرے صبر دے ان کو خدا — فیض سے تیرے مجھے ہے آسرا
قبر کی مشکل کو آساں کر شہا — وقت آخر ہے یہی میری دعا
تو برائے پنجتن اے کبریا — کر قبول اب فاطمہ بی کی دعا

الحمد للہ کہ دعا مستجاب ہوئی مرض مہیضہ کے سخت ترین حملہ سے خداوند عالم نے نجات دی (مدیر)

غزل

(از کنور سید محمد قاسم علیخاں صاحب شمیم ولیعہد بہادر پنڈراون ضلع بلند شہر)

رنج فراق دوست میں چین کہاں سے آسکے — دل کی لگی کو کس طرح ہائے کوئی بجھا سکے
یاد تری بھلا سکے لطف سکون پا سکے — نقش نہیں یہ وہ جسے دل سے کوئی مٹا سکے
شکوہ کیے جو آہ کو سمجھے گلہ جو بات کو — حال خراب کسطرح کوئی اُسے سنا سکے
چہرہ کو دیکھتے ہی جو راز دلی کو جان لے — آہ پھر اس سے کوئی کیا حالت دل چھپا سکے
ایسا نہیں ہے کوئی بھی عالم حسن و شوق میں — زخم جگر جسے کوئی اپنا کبھی دکھا سکے
روٹھ تو جاتے ہیں حضور سنکے ذرا سی بات کو — آپ سے کیسے دوستی کیسے بھلا نبھا سکے
قاسم سوختہ جگر آپ پہ ہوا نہ کچھ اثر — آہ کا دل کو ساری عمر تم نہ چلن سکھا سکے

نوٹ: اسلامی دنیا محض مذہبی رسالہ ہے اور اسمیں حسبقدر مضمون شایع ہوتے ہیں وہ سب مذہبی و اخلاقی ہیں ہمارے مخدوم زادہ کنور سید قاسم علیخاں صاحب بہادر نے توجہ فرمائی یہ غزل برائے اشاعت بھیجی ہے جو بعد شکریہ درج کیجاتی ہے اور امید ہے کہ ہمارے ممدوح آئندہ زمانہ عطا کرینگے واسطے کوئی نعت یا منقبت میں نظم لکھکر ارسال فرمائیں اور رسالہ کی امداد فرمائیں گے۔ مدیر

that people should say that a person from Muhammad's Ummat had murdered his prophet's, grandson. Noblest indeed!!!

EMINENT RESULTS :- The result of his supreme sacrifice is that we see Islam well nourished and basking into lenslight of other religions with glory. Though a vast period of thirteen centuries has elapsed it has spread to the remotest corners of the world. Hussein himself has been universally acclaimed as the greatest martyr the world has ever produced and his sacrifice has been unequalled in the history of mankind. No one has sacrificed his brothers like Hazrat Abbas, and sons like Hazrat Ali Akbar and last but not the least six months old son Hazrat Ali Asghar.

اٹھاؤ، آسماں کو ہے۔ والی زمیں نہیں۔
اصغر تمہارے خون کا ٹھکانا کہیں نہیں۔

One may ask, in all probability, that what was the element which helped him to present such a great sacrifice to the world, in most desperate circumstances he was in. The fact is that he had received his education and training at the hands of three greatest souls the world knows of, Prophet Muhammad, Caliph Hazarat Ali and Lady Fatima. I may close with words that it was Hussein who translated into action the very teachings of the Quran.

NOTICE.

We regret to notify that inspite of our repeated requests some of our readers have not yet paid their subscriptions. These amount to several thousands of rupees. It is really very difficult to keep such a magzine alive when there be very little Co-operation among the members of our community. It is earnestly hoped that we will have a prompt response to this notice and we shall be able to publish our next special number with grand success. *Manager.*

to make *baiat* at his hand and for which he persecuted Hussein who always defied him and refused todo the *baiat.* Yazid's anger knew no bounds and he manuplated a plan to murder Hussein while performing the Hadj. Hussein knew this and he had better quitted Mecca than to have bloodshed in such a holy city as that. True it is that one shows rare qualities and powerful presentations of character when one leaves the origin Water so far as it is in the sea has no weight and if one dives under it he never feels the weight of water though a huge sea be over him; but a small quantity in a pot shows weight when put on the head. Prophet Muhammad also had shown his real genius, rare qualities and wonderful abilities after he left Mecca. Same may be assigned to Hussain who too distinguished his forceful personality in the desert of Karbala which has won for him universal applause and admiration and but for those actions Islam has been ever strong during the past thirteen centuries and will continue for time to come. No one but Hussain has achieved such results due to such continued and sustained heroism. Indeed no man however great he may be, might be blamed who turned away from his desire if he were placed in a position Hussein was.

DEVOTION TO AN IDEAL:-What commands our sincere respect and regard in the history of his heroic life is the ardent and selfless devotion to an ideal. Convinced that Yazid violated doctrines of Islam he was bent on exposing those to world in general and to the Muslims in particular. He devoted himself ardently so much to achieve this ideal that it not only cost him his own life but lives of his faithful followers, seventy two in number; while the women were also made captives. He had no personal affections to urge him on and no personal motive nor spur. His life was devoted and finally supremely sacrificed to an ideal. His sole idea was to save Islam from destruction and to free the Ummat of prophet Muhammad on the day of resurrection. Noblest indeed ! when Khooli ibne Yazid was at the point of slaying him he exclaimed that he had fulfilled his ideal and advised Khooli not to slay him as he was already embracing death and further told him to cut off his head after he had died, for he never wanted

SELF DEVOTION :-Hussein was leading a very quite life at Mecca and was altogether absorbed in religious life neither caring for pomp and glory nor had any designs on the kingdom. His sole motto was to defend Islam and to see it blossoming forth in all its glory. More often than not he gave audience to his own kith, kin and followers He reminded them the teachings of the Prophet that a drunkard and debauchee, as Yazid was, could neither be a religious head of Islam nor a king over Islamic World. He defied Yazid who was a menace to Islam and was bent on striking the tree of Islam at its very root, of which the seed was sown by Holy Prophet Muhammad (may peace of God be on him and his children.) while Hussein's ideal was to see it enlivened. He emphasised this point, often in his various speeches, to defend Islam and not to gain anything worldly. He ever was ready to sacrifice himself than to submit to the evil spiritted Yazid and to this he stuck to the last moment of his worthy and most precious life.

سر دار نه داد دست در دست یزید * حقا که بنائی لااله هست حسین

Such self-devotion is not merely eminent but has never been-depicted by anyone in the history of mankind. He was as self-devoted to his ideal, the survival of Islam, that at every Manzil* he made between Karbala and Mecca, nay upto the last time, he was most willing to let go any followers of his who would not dare to die. In every sermon he repeated the same thing but they, like their Master, too were ready to face any calamity and catastrophe that would befall on them. Comparatively very meagre in number they showed such faithfulness, valour and bravery that the mankind has witnessed.

HEROISM CONTINUED & SUSTAINED :-He made known to the people that nothing but his very sacrifice, could save Islam and ultimately the 'Ummat' of his grandfather. His only desire was to see a king like Yazid dethroned who was a scandal and a cause of destruction to Islam. While on the other hand Yazid insisted on Hussein

(*Halt)

Our friend Mr. Tejani-a youngman of about 19 is undoubtedly a pride of our khoja Comunity who in his tender age, an age of games and sports to a student of College or School-is very keen on his religion This is his first contribution to the Islamic World and we hope to have more better and enlarged contributions from him in future. It is hoped that our youths, students of Colleges or Schools, will try to follow the foot steps of Mr. Tejani. (Editor)

"HEROISM OF HUSSEIN"

by

A. S. Tejani. (Karachi)

کاری کئی حسین اخگوارے کوڏی * در کلهی مصطفیٰ بهاری کوڏی
از هیچ پهمبرے نه آمد این کار * والله که ایہ حسین کاری کردی

Heroism by its very nature, perludes all questions of a choice. It is, intrinsically, conduct that excites first our admiration and, later, our reverence at the extraordinary capacity for suffering and doing or at the sublime practice of some eminent virtues. How ever, it has been universally acknowledged that heroism may be adjudged eminent by the number of people it affects or by the importance of its results. The heroism depicted by Hussein nas not only affected the whole universe but has the importance of its results as Late Maulana Mohamedali has rightly put it :—

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے   اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

Need I mention that Mr : E. G. Browne has said that the emotion evoked by Muharrum mournings is deep and genuine and even foreigners and non-muslims confess themselves affected by them, while profossor C. Philips admits that Hussein and his followers fought against a very large army heroically; they never feared death but on the contarary laid their lives at the alter of right and truth. The same view has also been expressed by prominent Indian leaders, of Calibre like Jawaharlal Nehru, Gokhale and Munshi Premchand.

fice of Islamic faith which remains unshakeable, unchanged and unimpaired in the face of the ravages of time and hostile forces of deep diabolical intensity.

The word Islam is derived from an Arabic term سلم which signifies peace. Human nature in its essence is not mean, it would never be inclined to evil if good were possible. The exponents of Islam never used sword where men could avoid using it, but they resorted to sword only when good was in danger of being completely anihilated by evil. The law of self defence is the world's oldest law, and precaution has always been thought to be better than cure. Islam has never been spread through the brutal force of sword or by compulsion, as it has been maintained, but as Sir Edward Devison Ross most beautifully points out, by virtue of the simplicity of the prophets creed which was probably a more potent factor in the spread of Islam than the sword of the Ghazis. The central doctrine of the religion is perfect submission and resignation to the will of God. Islam is a religion which abounds in manifested beauties, infact it is the general essence of the beauties of all the religions. It is an epitome or compedium of the religions of the world, and the greatest beauty of Islam is its catholicity and humanity. The teachings of Islam inculcate the spirit of kindness in all and for all. Service of the creator through the creature is the main ideal of Islam.

Note—The Maulana delivered several public lectures which were all well attended and have invariably impressed the cosmopolitan audience on each occasion. We will send a detailed report next month.

There has come such a critical time that modern Education-without any religious teaching has practically parralysed the minds of many Muslim Youths.

There are very few students of Science or Arts who care much for their religion.

"THE BEAUTIES OF ISLAM"

A lecture delivered by Maulana Liqai Ali Haidari at the Sindh Madrasatul Islam Examination Hall on Sunday the 18th October 1940.

by

Mr. Fida Hosen Dr. Haji G. H. Kassim Kharadhar-Karachi.

Few there are indeed whom such things as these await, was the expression which I struttled out when I had the privilege to hear Maulana L. Haidari address a fairly large gathering of Muslims of different sects on the "Beauties of Islam."

Beauty is an arts gift, it is the privilege of an artist to paint the picture of Beauty or expediate upon the beauties of Beauty; and indeed while delineating the Beauties of the Islamic Religion (the exposition of which was such that it made Islam appear as an embodiment of Beauty) during the course of his impassioned rhetorical declamations, the learned demagogue, unconsciously unravelled his own beauties as an Artist of the Islamic Mission, which as a consequence held the entire audience from the begining right to the end in a Magical charm.

Before coming to the subject proper, Maulana Haidari talked of the subjectiveness of Beauty. Beauty does not depend so much upon the object considered a beautiful as it does upon the observer of Beautiful things; and hence the difficulty in fixing a definite standard of Beauty; it is the manifestation of the beauties of the observer through the object of his ideal of beauty. It is the manifestation of the idea through matter. Since the conceptions of Beauty differ from individual to individual, from place to place, and from nation to nation, it becomes very difficult to determine any objects, persons or things which might be classified in the catagory of things which might be termed as 'Beauties'. However, there are certain vital principles in Life and Nature which are undeniably accepted as good, as true, as beautiful, and on the foundation of such principles is erected the edi-

Humility

One day Hussain passed by a group of beggars in the streets of Medina who were eating their food. They called him and invited him to dine with them. He sat down, and taking up a piece of bread began to eat it,* and said: "God does not love the proud." He then told them that as he had accepted their invitation, they should also accept his. He took them to his house and fed them well with various kinds of foods.

Fellow Feeling

Hussain used to say that the saying of the Prophet that the best thing after prayers was to make the hearts of fellow men happy, appeared to him to be very correct.

One day he passed by a youth who was feeding a dog, Upon inquiry the man replied that he was a person with a heart full of sorrow and that the object of his feeding the dog was to derive pleasure from his (dog's) pleasure, and that his master was a Jew from whom he wished to be released. Hussain was much affected by the intensity of the young man's feelings, and purchased him from the Jew and set him free.

Many other similar deeds are recorded about Hussain. Those who are interested in these things should read the pages of Bihar-ul-Anwar, which contains the noblest monument of generosity and charity practised by the Prophet's immediate descendants.

---

* The Imam never ate the bread offered to him by the beggars. It was given them as alms which the holy prophet & his children were forbidden. He however invited them to dine with him and on that occasion he enjoyed their Company.

(Editor.)

Gibbon has wrongly ascribed this story to Hassan the elder brother of Hussain.

Freedom for a Flower

Anas, son of Malik, a renowned companion of the Prophet relates that one day he was sitting with Hussain when a slave girl brought a flower and placed it before him. Hussain smiled, lifted up the flower, and smelling it said: "I free you for the pleasure of the Lord." Anas was astonished and said: "you must have spent a large sum in the purchase of the girl, and certainly the value of the flower could not be equal to that." But Hussain replied that if a person presents a thing to one, the return for it should be better than that. What could be a better present to the girl than her liberty ?

His Generosity

The great poet Farazdak had excited the wrath of Merwan, the cruel Governor of Medina and was ordered to leave the town. The poor fellow was greatly perturbed and went to Hussain in a very woebegone condition. He immediately ordered four thousand dinars to be given to the man. Those present remonstrated saying that Farazdak was a happy-go lucky drunkard and should not be given such a large sum. Hussain replied that the best money was that which was spent for the good of others, and that the Prophet was also generous to the poets Kaab bin Zuhair and Abas bin Mardas.

Good for Evil

It was the custom during the Ummeyade period to publicly curse the people of the "House of the Prophet" from the mosques. But inspite of this official cursing, the hearts of the people were full of love for the children of the Prophet, although the terror of the barbarous rulers had made them paralysed and silent.

Rarely any man dared to abuse Hussain face to face, but one day some fanatic took it in his head to do so. Hussain only replied by silence, and returning home, sent the abuser some valuable presents, thus acting upto the words of the Quran: "Return evil with what is best." The man was astonished and became his friend afterwards.

Hussain as Warrior

The Prophet died in the year 11 A. H. (632 A. D.) when Hussain was only 7 years old. His mother Fatima could not survive the shock of her father's death and the effects of after events, and died broken hearted within 6 months of her father's death.

As a young man Hussain took part in the conquest of Africa (Ibn Khalladun), and the war in Tabaristan (Tabari and Ibn Khalladun). He was amongst the defenders of the Third Caliph Usman when the latter was besieged by the insurgents. During the caliphate of Ali, he bravely assisted his father in all the wars fought against him by the rebels. After his father's death (40 A. H. 661 A. D.), he only once took part in any military campaign ! in the siege of Constantinople, and then, finding the Ommeyade ruler as too irreligious, aggressive and cruel, he retired as a private citizen at Medina, where the scholars from all over the Muslim world used to flock round him to listen to him and acquire wisdom and knowledge of religion.

But although the wheels of fortune had turned the royal prince into a retired, peaceful citizen, yet his life was ever in danger of poison or dagger of some Ommeyade assasin His elder brother Hassan, was poisoned at the instigation of Muawiya; and so were many of the noblest sons of Islam treacherously assasinated or poisoned. Yet Hussain continued to lead a noble, fearless life of a living exemplar of his grand father's religion.

Hussain's Benevolence

One day Hussain had invited a number of notables of Medina to dinner. In serving at table a slave inadvertently dropped a dish of scalding broth on his master; the heedless wretch fell prostrate to deprecate his punishment and repeated the verse of the Quran.

"Paradise is for those who command their anger,"- "I am not angry."- "and for those who pardon offences," "I Pardon your offence" "and for those who return good for evil,"- "I give you your liberty and four hundred pieces of silver."

prevent them from this. But he asked them to leave the little ones alone telling them, "**He who loves me must love them.**"

One day the Prophet accompanied by some companions was going to an invitation. On the way he found the little Hussain playing with the children of Medina. The Prophet advanced towards the boy, but the latter, as is the habit of children, began to run away from him this way and that according to the strength of his little legs. The Prophet went on laughing and following him until he caught him; and bowing down he began kissing him and said: "**My God! love him who loves Hussain.**"

Some of the "Companions" relate that once the Prophet came to them while Hassan was on one of his shoulders and Hussain on the other, and some times he was kissing the one grandson, and sometimes the other, and said: "**He who loves these is my friend, and he who is their enemy is my enemy.**"

THE BEST CAMEL AND RIDERS

Once the playful little grandsons desired of the Prophet in the Great Mosque that he should become their camel. The loving grand father at once lifted the little ones on his back, and began to move on his hands and feet on the floor of the Mosque. The innocent boys were overjoyed and began to utter the sounds which the Arabs use in driving the camels. But the camels have reins, and they demanded those. At once the locks of his hair were given in their hands. "And the Camels of Medina speak, and our Camel does not speak any thing." In order to please them the Prophet began to utter a sound resembling that of the Camel. A "Companion" seeing the delight of the little ones said: "**You have got the best Camel.**" "**But the riders are the best too,**" replied the Prophet.

There are many anecdotes of this kind related in the books of traditions (Hadith) of the Prophet. This trait of the Prophet's character, that of love for children, has made a great appeal even on the minds of his worst critics.

such foul slaughter and leading Captive and shameful usage as cause men's flesh to creep with horror And again I have dispensed with any long description thereof because of its notoriety, for it is the most celebrated of catastrophes. May God curse everyone who had a hand therein or who ordered it, or took pleasure in any part thereof. From such may God not accept any substitute or atonement. May He place them with those whose deeds involve the greatest loss, whose effort miscarries even in this present life while they fondly imagine that they do well."

Note—Mr. Shakur & his comrades must learn some thing from this. Editor

Life of the Hero

To understand clearly the story of the Martyrs and the grief it excites, one needs first know something of the character of the chief Hero and the position he occupies in the Muslim hearts. It is obviously impossible to give a fuller account of the life of Hussain in a short essay. But perhaps a few anecdotes will illustrate it all pretty well.

Hussain was born in the 8th Muslim month of Shahban in the year 4 A. H. and died on the 10th of the first Muslim month of Muharrum 61 A. H. or 681 A. D at the age of 56 years.

The prophet himself and his father and mother, Ali and Fatima, were responsible for his education. Ali was the most learned man of his age, and was called "The Gateway of the City of Knowledge" by the Prophet. He was also the greatest soldier of his times and was given the Sobriquet of 'The Lion of god " Fatima was a lady of highest culture, and some of her poems and sermons are still extant and greatly admired. Under such teachers the boy grew up to be a pious, learned and brave man, a man of thought and action.

Prophet's Love For Hussain

It was the Custom of the Prophet to regularly lead in the daily congregational prayers in the great Mosque of Medina. Often when he was in the customary attitude of prostration in the Muslim prayer, the little brothers Hassan and Hussain used to jump over his back in childish playfulness. Some "Companions" of the Prophet attempted to

"Even Hussain's enemies," says Gertrude Bell, "were moved to pity by his patient endurance, by the devotion of his followers, and by the passionate affection of the women who were with him. The recorded episodes of that terrible tenth of Moharrum are full of the pure pathos which moves and which touches generation after generation. It is not necessary to share the religious convictions of the Shias to take a side in the helpless battle under the burning sun, or to realise that tragic picture of the Imam sitting before his tent door with the dead child in his arms, or lifting the tiny measure of water to lips pierced through by an arrow shot-a draught almost as bitter as the sponge of vinegar and hyssop. "Men travel by the night," says Hussain, "and their destinies travel towards them." It was a destiny of immortal memory that he was journeying to meet on that march by night through wilderness, side by side with El Hurr and the Khalif's army."

Indeed the story of the martyrs of Kerbela is so pathetic that even the critical and sceptical Gibbon says in his Decline and Fall, 'In a distant age and climate the tragic scene of the death of Hussain will awaken the sympathy of the coldest reader."

Effects on the Muslim mind

The tragedy has left the deepest mark of all on the Muslim imagination, and produced the greatest effect on all the subsequent political, religious and social history of Islam. No Muslim can read the story of the martyrs of Kerbela without quivering of flesh and shedding of tears. The feeling it evokes in the Muslim mind can be summed up in the graphic words of an old and famous Arab historian, Ibnu'l Tiqtiqa, the author of al Fakhri, "a delightful manual of Muhammadan politics," written at Mosul in A. D. 1302 :—

"This is a catastrophe whereof I care not to speak at length, deeming it alike too grievous and too horrible. For verily it was a catastrophe than which naught more shameful hath happened in Islam. Verily, as I live, the murder of Ali, Commander of the Faithful, was the Supreme Calamity; but as for this event, there happened therein

throughout the Islamic world with such deep and passionate grief as though the event commemorated had only occurred yesterday. The events are read out to congregations in prose or poetry, and in many places, particularly in Persia and Iraq, the whole story is dramatised and rehearsed to the audience. A vast quantity of literature has sprung up on the subject, much of which, however, is worthless from historical point of view, although many of the poems are of extraordinary beauty and are extremely touching. Some of the best poets in all countries, like Anis and Dabir in India, have devoted their whole energies in writing **Marthiyas** or threnodies depicting the scenes of this most pathetic tragedy in human history. The best elegies on the subject in Sindhi are by Sabit Alishah, and the poems about the martyrs by the great Shah Latif are also very pathetic.

EFFECT ON NON-MUSLIMS

"The emotion evoked by these Muharrum mournings," says Mr. E. G. Browne, "whether dramatic representations or recitations, is deep and genuine, and even foreigners and non-Muslims confess themselves affected by them ......Who has been a spectator, though of alien faith, of these **taziyas** (Passion Plays) without experiencing within himself some thing of what they mean to those whose religious feeling finds in them its supreme expression ? As I write it all comes back—the wailing chant, the sobbing multitude, the white raiment red with blood from selfinflicted wounds, the intoxication of grief and sympathy."

"If the success of a drama." says Sir Lewis Pelly in his Miracle Play of Hassan and Hussain, "is to be judged by the effects which it produces upon the people for whom it is composed, or upon the audiences before whom it is represented, no play has ever surpassed the tragedy known in the Mussulman world as that of Hassan and Hussain". Mr. Matthew Arnold, in his "Eassays on Criticism," elegantly sketches the story and effects of this "Persian Passion Play." while Macaulay's Essay on Lord Clive has encircled the "Mystery" with a halo of immortality.

He who has made his Covenant with the Lord,
His neck is free from the chains of every other master.

Hussain's blood is the commentary of that secret;
He awoke the sleepy people to their duty.

When Khilafat broke its bonds from the Quran,
And the liberties of people were trampled upon.

That pride of the best of mankind rose like a cloud of plenty,
And pouring on the plain of Kerbela, went his way;
Sowing tulips in the desert, went his way.

Till the end of time he destroyed despotism;
From the surge of his blood sprang the garden of liberty.

For Truth he rolled in blood and dust,
And thus became the Foundation of the Faith.

He wrote on the desert with his blood; "There is no God but One."
He wrote the line of our salvation,
The Secret of the Quran we have learnt from Hussain,
From his fire we have kindled our flame.

The glory of Damascus and grandeur of Baghdad is gone;
The splendour of Granada is all forgot;
But our every nerve still trembles at his sufferings;
Our faith is still fresh from his cry of "God alone is Great."
O Zephyr, O messenger of the bereaved.
Carry thou my tears to that sacred land"

MUHARRUM CELEBRATIONS

It is during the first ten days of the Muslim month of Muharrum that the anniversary of the martyrdom of Hussain is celebrated

Every religion, every country, every race has had its martyrs. Human history is full of the sufferings and tribulations of the chosen of God. Suffering is the badge of greatness. The memory of the troubles and sorrows of the great ones of the world lift up the soul of mankind to a higher and nobler plane. The records of the great martyrs of the world are beacons of light to the suffering humanity, bearing eloquent testimony of the ultimate victory of Right over Wrong, of Good against Evil. The sufferings of the true martyrs quicken the dead into life, revive the dying and make the pulse of humanity beat with the accumulated force of ages.

THE SAVIOUR OF ISLAM.

Islamic history has produced a great many martyrs. But it is Hussian and the ideals for which he died that rule over the feelings of sorrow, love and gratitude of Muslims even after the lapse of thirteen centuries. The tragedy of Kerbela has been the constant theme of poets and preachers throughout the Muslim World. The greatest and the oldest Sufi Saint of India, Muinu-din Chishti of Ajmere, says in an oft quoted Persian quatrain:—

"Our King is Hussain, our King of Kings is Hussain,
Our Religion is Hussain, the Protector of our religion is Hussain.
He gave his head, but not his hand, in the hands of Yazid;
Verily Hussain is the Foundation of the Unity of God."

Sir Iqbal, the greatest living Muslim poet of India, a man of very high culture of the West and the East, has written a Persian Poem of untranslatable beauty on Hussain.

The following is a rough prose rendering of a few of its lines:—

"A Muslim is slave of none but God;
He bows not his head before every Pharaoh.

And so it happened three times;

Until the first over powering sensation yielded to a collected grasp of the words which made clear his mission;

Its Author, God the Creator;

Its subject Man, God's wondrous handi-work, capable, by Grace, of rising to heights sublime;

And the instrument of that mission, the sanctified Pen, and the Sanctified Book, the Gift of God, which men might read, or study, or treasure in their souls.

MEANING OF MUHARRUM CELEBRATIONS AND LIFE OF HUSSAIN.

Dr. Haji G. Hosen M. B. B. S, is one of the most enthusiastic Isna Ashari of Karachi Khojas a staunch lover of Imam Hosen and a learned Muslim. His vast reading has enabled him to write a detailed account of martyrdom of Imam Hosen. The treatise was sent to us for review, but I am afraid I will not do justice to the learned contribution if I do not put up before my readers the whole brochure by instalments. (Haidari)

The saith Jesus unto the disciples, My soul is exceedingly sorrowful even unto death, tarry ye here, and watch with me. And he went a little farther, and fell on his face, and prayed. saying, O my Father, if it be possible let this cup pass from me, nevertheless not as I will but as thou wilt. (The Bible.)

Or do you imagine that you will enter Paradise without enduring that which those who went before you endured? Distress and tribulation touched them, they were shaken violently so that the apostle and those who believed with him cried: When comes God's help ? Now truly God's help is very near. (The Quran)

Problems not his own, but his people's, yea, and of human destiny, of the mercy of God, and the age-long conflict of evil and righteousness, sin and abounding Grace. Not till forty years of earthly life had passed

Was the veil lifted from the Preserved Tablet And its contents began to be transferred to the tablet of his mind,

To be proclaimed to the world, and read and studied for all time,-

A fountain of mercy and wisdom, a warning to the heedless, a guide to the erring, an assurance to those in doubt, a solace to the suffering, a hope to those in despair,-

To complete the chain of Revelation through the mouths of divinely inspired Apostles.

The Chosen One* was in the cave of Hiraa. For two years and more he had prayed there and adored his Creator-

And wondered at the mystery of man. With his corruptible flesh, just growing out of human seed. †

And the soul in him reaching out to knowledge sublime, new and ever new. Taught by the bounty of God, and leading to that which man himself knoweth not. And now behold ! a dazzling vision of beauty and light over powered his senses, and he heard the word "Iqra" !

"Iqra" ! which being interpreted may mean "Read ;" or "Proclaim ! " or "Recite ! "-

The unlettered Apostle was puzzled; he could not read.

The Angel seemed to press him to his breast in a close embrace, and the cry rang clear, "Iqra" !

† Mustafa.

* See Quran 96:2.

He was happy in poverty and used it as his badge and his pride. *

When wealth was within his reach, but not within his grasp,
As a man among men.

At twentyfive he was united in the holy bonds of wedlock with Khadija the Great,

The noble lady who befriended him when he had no worldly resources,

Trusted him when his worth was little known, Encouraged and understood him in his spiritual struggles,

Believed in him when with trembling steps he took up the call.

And with stood obloquy, persecution, insults, threats and tortures,
And was a life-long help-mate till she was gathered to the saints in his fifty-first year,—

A perfect woman, the mother of those who believe.

There is a cave in the side of Mount Hiraa some three miles north of the City of Mecca. In a valley, which turns left from the road to 'Arafat,

To which Muhammad used to retire for peaceful contemplation.

Often alone, but some-times with Khadija.

Days and nights he spent there with his lord.

Hard were the problems he revolved in his mind,-

Harder and more cross-grained than the red granite of the rock around him,-

* "Poverty is my Pride" a saying of the prophet.

Even as a boy of nine, when he went in a trade caravan with Abu Talib to Syria, †

His tender soul marked inwardly how God did speak,

In the wide expanse of deserts, in the stern grandeur of rocks, in the refreshing flow of streams, in the smiling bloom of gardens, in the art and skill with which men and birds and all life sought for light. From the life of lives, even as every plant seeks through devious ways the light of the Sun.

Nor less was he grieved at Man's ingratitude.

When he rebelled and held as naught the Signs of God, and turned His gifts to baser uses. Driving rare souls to hermit life, Clouding the heavenly mirror of pure affections with selfish passions, mad unseemly wrangles, and hard unhallowed loathsome tortures of themselves.

He worked and joyed in honest labour;

He traded with integrity to himself and to others;

He joined the throngs of cities and their busy life, but saw its good and evil as types of an inner and more lasting life hereafter. People gladly sought his help as umpire and peacemaker because they knew his soul was just and righteous;

He loved the company of old and young, but oft withdrew to solitude for Prayer and inward spiritual strength;

He despised not wealth but used it for others;

† It was on such visits that he met and conversed with Nastorian Christian Monks like Buhaira who were quick to recognise his spiritual worth.

To his cousin, 'Ali, the wellbeloved,* born when he was thirty.

He (Ali) appeared as the very pattern of a perfect man. As gentle as he was wise and true and strong. The one in whose defence and aid he spent his utmost strength and skill.

Holding life cheap in support of a cause so high, and placing without reserve his chivalry, his prowess, wit, and learning, and his sword at the service of the mighty Messenger of God.

His Mission. Not till the age of forty [1] did he receive the commission. To stand forth and proclaim the Bounty of God,

And His gift, to lowly man, of Knowledge by word and Pen;

But all through his years of preparation he did search the truth;

He sought it in Nature's forms & laws, her beauty and her stern unflinching ways;

He sought it in the inner world of human lives,

Mens joys and sorrows, their kindly virtues and their sins of pride, injustice, cruel wrong, and greed of gain, scarce checked by the inner voice.

That spoke of duty, moral law, and higher still, the Will supreme of God, to which the will of man must tune itself to find its highest bless.

But as he grew, stead fast in virtue and purity,

Untaught by men, he learnt from them and learned to teach them;

* Murtaza

[1] The Arabian year before A. H. was roughly luni-solar,

hills and valleys, caves and deserts, he wandered, but never lost his way to truth and righteousness;

From his pure and spotless heart the Angels washed the dust that flew around him; Through the ways of crooked city folk, he walked upright and straight,

And won from them the ungrudging name of the man of Faith* who never broke his word. To the Praise-worthy[1] indeed be praise. Born in the sacred city [2] he destroyed its superstition; Loyal to his people to the core, he stood for all humanity;

Orphan-born and poor, he envied not the rich, and made his special care all those whom the world neglected or oppressed—

Orphans, widows, slaves, and those in need of food or comforts, mental solace, spiritual strength, or virtues downtrodden in the haunts of men. His Mother [3] and his fostermother [4] loved and wondered at the child. His grandfather, 'Abdul Muttalib, of all his twice sight children and their offspring, loved him best, and all his sweet and gentle ways;

His uncle Abu Talib, knew well the purity of Muhammad's mind and soul.

And was his stoutest champion when the other chiefs of Mecca sought to kill the man who challenged in his person their narraw pagan selfish lives.

* Al-Amin.

[1]. Muhammad. [2]. Mecca. [3]. Amina [4]. Halima.

THE ISLAMIC WORLD

BUDAUN, U. P.

Vol 4. OCTOBER, NOVEMBER, 1940. No 8 & 9.

The Prophet and His Mission.

By

Allama A. Yusuf Ali C. B. E., M. A., LL. M., (Cantab) F. R. S. I.

Muhammad

Behold ! there was born into the world of sense the unlettered Apostle.

The Comely child, noble of birth, but nobler still in the grace and wisdom of human love and human understanding. Dowered with the Key which opened to him the enchanted palace of nature;

Marked out to receive-to receive and preach in burning words the spiritual truth and message of the most High. Others before had been born in darkness, beyond the reach of history. Others again it pleased God to send as messengers, preaching, working in the dim twilight of history, wherein men fashion legends after their own hearts, and dimly seek a light afar, remote from lives mean and sordid, such as they knew. But Muhamad came in the fullest blaze of history; with no learning he put to shame the wisdom of the learned. With pasture folk he lived and worked, and won their love. In

THE ISLAMIC WORLD

BUDAUN. U. P.



Vol. 4. October & November, 1940. Nos. 8 & 9.



Contents.



Regd. No. A. 378.

UNDER THE KIND PATRONAGE OF

H. E. H. THE NIZAM OF DECCAN & BERAR.

THE ISLAMIC WORLD

BUDAUN. U. P.

Vol. 4. | OCTOBER & NOVEMBER, 1940. | Nos. 8 & 9

ANNUAL SUBSCRIPTION.

INDIA	RS. 4/-	SINGLE COPY (INDIA)	-/7/-
FOREIGN	RS. 6/-	... ... FOREIGN	-/9/-

HONORARY EDITOR
Dr. S. E. A. SHAH NAQAVI.

MANAGER & PUBLISHER
ALIASHRAF
Kazi Tola, BUDAUN.

Printed by L. Ram Saran Lal Rastogi at the Shanti Press, Budaun.

چندہ سالانہ للعہ

بیرون ہند سے ۔/۴

زیر سرپرستی حضرت ثقۃ الاسلام مولانا مولوی محمد علی صاحب ... مد ظلہ العالی

ایڈیٹر مولوی سید ...

اسلامی دنیا

کا تیسرا

حسین نمبر

فہرست مضامین بابتہ ماہ جنوری و فروری سنہ ۱۹۴۰ء — نمبر ۱ و ۲

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں

محمد احید الدین پرنٹر

حسینؑ کے جاں نثار اصحاب کے لاثانی کارنامے

علامہ ڈاکٹر سید مجتبیٰ حسین صاحب کامون پوری پی۔ ایچ ڈی (الازہر)

جاں نثاروں نے ترے کر دیئے جنگل آباد
خاک اُڑتی تھی شہیدانِ وفا سے پہلے

الامان والحفیظ!! گرمی کا زمانہ شباب پر ہے تند و تیز آندھیاں جسمانی ایوانوں کی چولیں ہلائے دیتی ہیں۔ پناہ بخدا بد لُو اور کس شدت کی لُو زمین۔ تپ رہی ہے۔ دانہ بھی گر جاتا ہے تو بھن جاتا ہے آفتاب کی گرم کرنیں جسم کے لیے سلاخوں کا کام دیتی ہیں۔ چلچلاتی دھوپ سے فضا آتش سیال بنی ہوئی ہے اور ایک لق و دق غیر مانوس جنگل اور چٹیل میدان میں کچھ شیر ہتھیلیوں پر سر رکھے زرہوں پر اپنے دل لپیٹے ہوئے جان کی بازی لگا کر اُتر پڑے۔

یہ لوگ گنتی کے چند نفوس ہیں۔ ۳۲ سوار، ۴۰ پیادے ہیں۔ (جلاء العیون مجلسی ۱۱۱۱ھ)[1]۔

سپہر کاشانی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ جمعیت ۱۴۵ سے کسی طرح زیادہ نہیں (ناسخ ۲۳۱/۲) امام محمد باقرؑ کا ارشاد بھی اسی کا مؤید ہے۔ لیکن اس اختلاف کی توجیہ یوں ہو سکتی ہے کہ انصار کربلا میں آنے والے ۱۴۵ تھے مگر یوم قربانی جرعہ نوشانِ شہادت صرف ۷۲ فردیں رہ گئیں۔ اس لیے کہ شب عاشور جب سید الشہداؑ نے عام اجازت دیدی تو اتنے واپس چلے گئے کہ صرف بہتر رہ گئے۔ اور جن لوگوں نے حسینی لشکر کی تعداد (۱۱۰۰) تک لکھی ہے (مسعودی ۳۴۶ھ) اس سے مراد یہ ہے کہ کربلا میں آنے کے پہلے یہ جمعیت اس قدر یا اس سے زیادہ تھی مگر جب "منزل زرود" پر امام نے مسلم قربانی کی خبر شہادت سن کر عام اجازت لوگوں کو واپس جانے کی دے دی تو بڑی تعداد نے ساتھ چھوڑ دیا۔

فمن کان منکم یصبر علی ضرب السیوف وطعن الرماح والا فلینصرف من موضعہ ھذا فلیس علیہ من ذماسی شی فسکتوا جمیعا وجعلوا تیفرقون یمینا وشمالا (ناسخ ۲۱۷/۲)

---

[1] جلاء العیون مجلسی نے فارسی میں لکھی اور سید عبد اللہ بن محمد رضا حسینی شبری نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا۔ جلاء العیون کا خلاصہ بھی کیا گیا جس کا نام مختصر الجلاء رکھا گیا۔

(مقتل ابی مخنف ۲۰)

تم میں سے جو شخص تلواروں اور نیزوں کے وار گوارا کر سکتا ہو وہ تو چلے ورنہ اسی جگہ سے واپس چلا جائے۔ میں اُسے مجبور نہیں کرتا۔ یہ سن کر سب کے سب خاموش ہو گئے اور داہنے اور بائیں منتفرق ہونا شروع ہو گئے"

بہر طور یہ ۷۲ افراد نہایت مستقل مزاج ثابت قدم اور با مرد تھے۔

یہ مضبوط دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ کسی مجاہد گروہ نے اپنے رئیس کے سامنے اس دلیری اور شجاعت سے کام نہیں لیا۔ بڑے بڑے قائدین کی فہرست اموات دُہرائی جا سکتی ہے مگر کسی کو حسینی اصحاب کے تناسب سے کوئی حصہ نہیں ملتا۔

جناب موسیٰؑ نے جب اپنے انصار سے کمک مانگی تو اونھوں نے نہایت خشک لہجہ میں کہدیا ہم تو یہیں بیٹھے ہیں اور آپ کا خدا اس مہم کو سر کرنے ۶/۲۴ المائدہ۔

عیسیٰؑ کو انھیں کے کاسہ لیس صحابی (یہودا) نے تیس روپیہ کی ننگ انسانیت طمع میں آکر گرفتار کرا دیا۔ اور انھیں کے حاشیہ نشین (پطرس) نے معاذ اللہ تین بار مسیحؑ پر لعنت کی مرقس - ۱۴/۷۵ ۱۵ متی ۲۶ باب

خود مقنن اسلام کے بعض صحابہ کا معاشرتی عنوان نہایت الم انگیز ہے۔ جس وقت دشوار گزار اور سنگلاخ راہیں طے کرنا پڑتی تھیں اُسے کھرے کھوٹے میں فرق معلوم ہو جاتا تھا۔

ہم کو اس سے انکار نہیں ہے کہ ابوذر و سلمان و مقداد جیسے ارادت کیش رسول کے ساتھ نہ تھے بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اس سلک میں کل موتی سچے نہ تھے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ تمام صحابہ مرتبہ شناس وقت پر کام آنے والے تھے۔ قرآن مجید سے ذیل کی بعض آیتیں اس دعوے کی تائید میں پیش کی جاتی ہیں:-

"تم موت کے آنے سے پہلے لڑائی میں مر مٹنے کی تمنا کیا کرتے تھے۔ اب تو تم نے اس کو دیکھ بھی لیا اور اب بھی دیکھ رہے ہو۔ (پھر کیوں جی چراتے ہو) اور محمد تو صرف رسول ہیں جن کے قبل اور بھی رسول گزر گئے ہیں۔ پھر کیا اگر وہ مرجائیں گے یا قتل ہو جائیں گے تو تم الٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے ۲/۱۴۴ آل عمران۔

اللہ نے (جنگ احد میں) اپنا وعدہ (فتح کے متعلق) سچ کر دکھایا جبکہ تم اللہ کے حکم سے کفار کو قتل کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ تم نے بزدلاپن کیا اور حکم رسول کے موافق مورچے جمے رہنے کے متعلق جھگڑا کیا اور مال غنیمت دیکھکر رسول کی نافرمانی کی تم میں سے بعض تو طالب دنیا ہیں اور بعض آخرت کے طلبگار ہیں (جیسے عبداللہ بن جبیر حضرت حمزہ - ابودجانہ - علی) ۱۵۲/۳ آل عمران

(تم اُس وقت کو یاد کر کے جھینپو) جبکہ تم پہاڑ پر چڑھے چلے جاتے تھے اور کسی کو مُڑ کے دیکھتے بھی نہ تھے اور رسول تم کو

تمھارے پیچھے کھڑے پکار رہے تھے۔
آل عمران ۱۵۳

اگر وقتی فائدہ اور آسان سفر ہوتا تو وہ ضرور تمھارا ساتھ دیتے مگر اون پر مسافت کی مشقت طولانی ہوگئی۔ توبہ

آیاتِ بالا سے واضح ہے کہ بعض اصحابِ رسول موقع کے قبل لڑائی میں جان دینے کی آرزوئیں کرتے تھے اور رسول کے بعد الٹے پاؤں پھر جانے کا ارادہ رکھتے تھے اور طمع دنیا میں رسول کی نافرمانی کی پروا نہ کرتے تھے۔ رسول انھیں پکارتے تھے۔ اور وہ منھ موڑے پہاڑ پر چڑھے چلے جاتے تھے اور وقتی فائدہ اور آسان سفر کے علاوہ ایثار اور آیندہ کے نفع اور سفر دراز کی مشقت سے گریز کرتے تھے۔ مگر حسینی جان نثار اِن حالات کے خلاف آخر تک موت کی تمنا کرتے رہے وہ حسینؑ کے بعد زندہ نہ رہنے کا قطعی فیصلہ کر چکے تھے۔ اسی وجہ سے عملی معرکہ میں ایسے جمے اور ایسی ثابت قدمی دکھائی اور ایسی اولوالعزمی سے کام لیا کہ بڑے بڑے شجاعوں اور بہادروں کو حیرت کی لاانتہا گہرائی میں ڈالدیا۔ ذیل کی آیت کا ایک ایک لفظ اون پر منطبق ہو رہا ہے۔

خدا اون لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح پرا باندھکر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیواریں ہیں
الصف ۲۸

فلسفۂ انتخاب

اونچی نظر والے اوس شخص کو اعتراض کی نظر سے دیکھتے ہیں جس کے دو فعل بظاہر باہمی موافقت نہیں رکھتے۔ حسین کی یہ اعلیٰ ترین سیاست بعض حضرات کو متحیر بنا دے گی کہ وہ اپنے ساتھیوں کو رخصت بھی کرتے جاتے ہیں اور دوسروں کو طلبی کے خطوط بھی لکھتے ہیں۔ مگر اون کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ اوس وقت حسین کے سامنے مسئلہ انتخاب درپیش تھا جسے آپ نے انتہائے تدبر سے انجام دیا۔ گزشتہ رہبروں کے سرحدِ مقصود تک نہ پہونچنے کی دو وجہیں تھیں۔ کسی کو تو بالکل انتخاب کا موقع ہی نہ ملا اور کسی کو اگر ملا بھی تو کامل انتخاب کا موقع نہیں ملا۔

جناب موسیٰ کا شمار اون لوگوں میں ہے جنھیں انتخاب کی مہلت تو ضرور ملی مگر کامل انتخاب کی فرصت نہیں ملی۔ کلیم اللہ نے جب قوم کے اصرار سے انھیں بالائے طور لے جانے کا قصد کیا تو اُس وقت اُن کے سامنے ستر لاکھ کی جمعیت تھی جن میں سے انھوں نے ستر ہزار کو چنا پھر اون میں سے سات سو منتخب کئے پھر سات سو میں سے ستر آدمی چھانٹے مگر یہ ستر بھی سرکشی کی وجہ سے نذر صاعقہ ہوگئے۔
(تفسیر صافی ۱۸۵)

اسلام کے اس مقدس پیرو (حسینؑ) کے سامنے ایک طرف تو سلف کے سچے سوانح تھے۔ دوسری جانب نتائج کا پورا احساس۔ اس نے ڈھونڈھ کر

انتخاب کا وقت نکالا اور انتخاب میں پوری دانائی سے کام لیا - وہ جس کام کے لیے اوٹھا تھا وہ بہت اہم تھا - اس لیے وہ ایک رنگ ایک میل ایک مذاق کے آدمی ڈھونڈھ رہا تھا - ایک بڑی جماعت جو حسینؑ کے ساتھ ہوگئی تھی اور حسین کے مقدس ارادہ میں عملی شرکت کی طاقت نہیں رکھتی تھی - یہ لوگ بے جوڑ تھے اس لیے حسینؑ نے اون کو رخصت کردیا - مگر حسینؑ کو تبلیغ کا مکمل کرنا بھی ضروری تھا اس لیئے جتنے وانوں کی جگہ خالی تھی اتنے دانے دور دور خط بھیج کر منگائے - اور اس طریقہ سے ایک مختصر مگر زبردست فہرست اعوان و انصار کی مرتب فرمائی - اور حسین کا انتخاب نہایت کامیاب ثابت ہوا یہہ احرار جس بات پہ کمر باندھ چکے تھے - جو مصمم عزم کرچکے تھے اون کو انتہائے مدارج تکمیل تک پہونچا کر رہے - اور اپنے وعدے کے ایک ایک حرف کو سچ کردکھایا - اور خدا کے کلام کی بہتر سے بہتر تصدیق کرکے اپنی ذات کو اس کا مصداق صحیح ثابت کردیا -

ایمان داروں میں کچھ ایسے بھی ہیں جنھوں نے
خدا سے باندھے ہوئے عہد کو پورا کر دکھایا
$\frac{21}{22}$ احزاب

۵

لشکر جو اون پہ ٹوٹ پڑے شام و روم کے
تلواریں کھائیں جسم پہ کیا جھوم جھوم کے

پیغمبر اور ائمہ کی نگاہوں میں حسینی مجاہدوں کا درجہ

یہ معلوم ہوچکا کہ یہ مختصر جماعت خلاصۂ روزگار اور حاصل انتخاب سید الشہدا تھی - اب ہم یہہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسلام کے بڑے بڑے ارکان کی نظروں میں ان کی کیا حیثیت تھی اور اسلام کے پہلے ان کو کیا درجہ دیا گیا تھا

(۱) کعب احبار نے کہا کہ ہماری کتابوں (توریت) میں لکھا ہے کہ ایک شخص محمد رسول اللہ کی اولاد میں قتل کیا جائیگا اور اس کے اصحاب کے مرکب کا پسینہ خشک بھی نہ ہونے پائیگا کہ وہ سب جنت میں داخل ہوکر حوروں سے معانقہ کریں گے اسی اثنا میں امام حسنؑ حاضرین کی طرف سے گزرے سب نے کہا کہ وہ یہی ہیں کہا نہیں - پھر امام حسینؑ ادھر سے گزرے سب نے کہا وہ یہ ہیں کہا ہاں (انوار نعمانیہ)

(۲) شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے رسول تک سلسلۂ سند کو منتہی کرکے ذیل کی روایت لکھی ہے :-

قال اندرون ما غمی قال اخبرنا قال النبی هاه شوقا الی اخوانی من بعدی شان شان الانبیاء قوم یفرون من الاباء و الامهات کلهم ابتغاء مرضات الله یترکون المال لله و یبذلون انفسهم بانتواضع لواحد منهم اکرم عند الله من کل شی قلوبهم و عملهم ضحکهم عبادة و فرحهم تسبیح و نومهم صدقة و انفاسهم جهاد (اسرار الشہادۃ ملا دربندی ۲۷۰)

رسول نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تمھیں معلوم ہے کہ مجھے کیا غم کھا رہا ہے۔ فرمایا ہائے رے میرا شوق اپنے ان بھائیوں کی

ملاقات کا جو میرے بعد پیغمبرانہ شان کے ہوں گے رضائے خدا کیلئے
اپنے ماں باپ سے بھاگینگے خدا کے لیے مال کو چھوڑ دینگے قوم مع
کے ساتھ بذل نفس کریں گے ان میں سے ہر ایک کا اجر ستر اہل بدر
کے برابر ہوگا۔ ہر ایک خدا کے نزدیک ہر شی سے زیادہ محترم ہوگا
اُن کے دل اور عمل خاص خدا کے لیے ہوں گے یعنی اون کی
عبادت۔ فرحت اُن کی تسبیح نیند اُن کے صدقے سانس
اُن کی جہاد۔"

(اسرار الشہادۃ ملا دربندی ۲۷۰)

(۳) قطب راوندی نے کتاب الخرائج میں
امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ امام حسینؑ نے قبل
اپنے مقتول ہونے کے فرمایا:۔

میرے نانا رسول خدا فرماتے تھے حسینؑ!
تم عنقریب عراق کی ایک زمین (عمورا)
پر قتل ہوگے اور تمہارے ساتھ اصحاب
کی ایک جماعت شہید ہو گی جو الم
آہن (تلواروں اور نیزوں) سے متاثر
نہ ہوگی۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت
پڑھی:۔ یا نار کونی بردا وسلاماً
علیٰ ابراہیم۔ الانبیا۔
اے آگ ٹھنڈی ہو جا مگر ابراہیم سلامت
رہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ اے
حسینؑ تم پر اور تمہارے اصحاب پر
میرا سلام۔ یہہ کہکر خود حسینؑ نے اپنے
اصحاب سے فرمایا۔ خوش ہو اگر ان لوگوں
نے ہمیں خدا کی راہ میں قتل کر ڈالا تو ہم
رسول خدا کے پاس پہونچ جائیں گے

(اسرار الشہادۃ ۱۶۷۔ شفاء الصدور ۳۶۱)

(۴) امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ
ایک روز جناب سیدہؑ امام حسینؑ کو اُٹھائے ہوئے
تھیں پیغمبرؐ نے حسینؑ کو اون سے لے لیا اور فرمانے لگے
خدا تیرے قاتل پر لعنت کرے۔ سیدہ نے عرض کیا
آپ کیا فرماتے ہیں۔ فرمایا میرے اور تمہارے بعد
جو مظالم ان پر ہوں گے وہ یاد آگئے۔ اُس وقت
ان کے ساتھ ایک گروہ ہوگا جن کے چہرے تاروں
کی طرح چمکتے ہوں گے۔ وہ خوشی خوشی قتل ہوجانے
کی طرف اقدام کریں گے (شفاء الصدور ۳۶۱)

(۵) امیر المومنینؑ کی ایک حدیث طویل میں
مروی ہے:۔

ان اصحابہ من سادۃ الشہداء
یوم القیامۃ (مہیج الاحزان صفحہ ۱۲۹)

حسینؑ کے اصحاب قیامت کے دن تمام شہیدوں
کے سردار ہوں گے۔

شیخ صدوق نے "جبلہ مکیہ" سے روایت کی ہے
کہ اونھوں نے "میثم تمار" کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ
امیر المومنین نے مجھے خبر دی ہے کہ حسینؑ پر تمام کائنات
روئے گی۔

یا جبلۃ اعلی ان الحسینؑ سید الشہداء
یوم القیامۃ ولاصحابہ علی سائر الشہداء
فضلاً (مہیج الاحزان ۱۲۷)

اے جبلہ حسینؑ کے اصحاب کو تمام شہداء پر فضیلت ہے

(۶) امام زین العابدینؑ سے ذیل کی روایت مروی ہے:-

قال جمع الحسین اصحابہ عند قرب المساء فسمعت ابی وھو یقول فانی لا اعلم اصحابا اوفی ولا اخیر من اصحابی فجزاکم اللہ عنی جمیعا (ناسخ ۲۳۹)

امام حسینؑ نے شام کے قریب اپنے اصحابؑ کو جمع کیا۔ آپ نے اپنے والد کو کہتے ہوئے سنا "میرے علم میں کسی کے اصحاب میرے اصحاب سے زیادہ وفادار اور بہتر نہیں گزرے۔ اللہ تم سب کو میری جانب سے جزائے خیر دے۔

(۷) امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ امام حسینؑ اپنے کشتوں کو قریب قریب رکھتے جاتے اور فرماتے تھے:- قتلی النبیین وآل النبیین۔ یہ انبیا۔ اور آلِ انبیا کے مقتول ہیں۔ (بحار مجلسی)

(۸) امام موسیٰ بن جعفر سے روایت ہے کہ قیامت میں۔ حواریین رسول پکارے جائیں گے تو سلمان و ابوذر و مقداد اُٹھینگے اور جب حواریین علیؑ پکارے جائیں گے تو عمرو بن حمق اور محمد بن ابوبکر اور میثم تمار اور اویس قرنی اٹھینگے۔ اور جب "حواریین حسنؑ" پکارے جائیں گے تو سفیان بن ابن لیلے ہمدانی اور حذیفہ بن اسد اُٹھینگے۔ اور جب "حواری الحسینؑ" کی ندا ہوگی تو وہ تمام شہدا اُٹھینگے جنھوں نے آپ کی نصرت کی ہے۔

(۹) صاحب الامرؑ امام زماں نے زیارت ناحیہ میں ان اصحاب کو ذیل کے الفاظ میں مخاطب فرمایا ہے:-

السلام علیکم یا خیر الانصار السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار بوّاکم اللہ مبوّاء الابرار۔ اشھد لقد کشف اللہ لکم الغطا ومھّد لکم الوطاء واجزل لکم العطاء وکنتم عن الحق غیر بطاء وانتم لنا فرطاء ونحن لکم خلطاء فی دار البقاء والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (ناسخ ۲۴۳)

تم پر سلام۔ اے بہترین مددگار۔ سلام تم پر تمہارے صبر و تحمل کے عوض۔ دیکھو آخرت کا گھر کیسا اچھا گھر ہے خدا تم کو کاشانہ ابرار میں جگہ دے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا نے تمھارے سامنے سے پردہ اُٹھا دیا اور جنت میں تمھارے لیئے فرش بچھا دیا اور عطا و انعام کو تمھارے لیے بڑھا دیا۔ تم نے حق میں تاخیر نہیں کی اور تم ہم سے آگے بڑھ گئے اور ہم دار بقا میں تمھارے دوست ہیں۔

احادیث بالا پر تبصرہ

احادیث بالا سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ گزشتہ انبیا کی کتابوں میں رسول اور ائمہ کی نگاہوں میں اصحاب حسین کا کیا درجہ ہے۔ ان احادیث میں وہ حدیث قابل بحث ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اصحاب حسین الم آہن سے متاثر نہوں گے تیر و

نیزہ اور تلوار وغیرہ سے اونھیں کوئی صدمہ محسوس
نہوگا - بظاہر حدیث کے الفاظ قواعد تکلیف کے
خلاف ہیں اس لیے کہ صفت شعور وادراک قدم
میں لغزش پیدا کردیتے ہیں - ایک مخبوط الحواس یا
بے ہوش کو بڑی سے بڑی جرارت کرتے
دیکھو گے مگر ایک حساس انسان ہمیشہ وہمی خطرہ سے
بھی جان بچاتا ہے - لہذا اگر ان حق شناس اصحاب
کو تلوار اور نیزوں کی چوٹ کی پوری تکلیف کا
احساس ہوتا اور ثابت قدم رہتے تو اون کا یہ فعل
ضرور قابل ستایش ہوتا - ایک وہ شخص جس کو
بیہوشی سنگھا کر اپریشن دیا گیا ہو وہ یہ حق نہیں رکھتا
کہ اس کو مظاہرہ مردانگی کے موقعہ پر پیش کیا جاسکے
بیہوشی کے ذریعہ سے ایک صغیر السن بچہ کو خاموشی
کے ساتھ ٹکڑے ٹکڑے کیا جاسکتا ہے - لیکن جب
ہم یہ خیال کرتے ہیں تو کوئی شبہ باقی نہیں رہتا
کہ تمام اعمال کی روح یہ ہے کہ انسان نفس کو موت
پر آمادہ کرے اور خدا کی رضاجوئی میں دنیا کی
زندگی سے ہاتھ اٹھالے اس سے بلند کوئی عمل
نہیں یہی ثواب کا منشا ہے اور اس پر اجر مرتب
ہوتا ہے -

اگر نفس پہلے سے تیار نہیں اور بغیر قصد کوئی
فعل ہوگیا تو اگرچہ اس سے نفس کو تکلیف ہوتی ہے
مگر اس سے کسی ثواب کا استحقاق حاصل نہیں ہوتا -
لیکن اگر نفس میں آمادگی کی پوری اسپرٹ پیدا ہوتی
ہے اور اس کے بعد کسی ناگہانی یا قدرتی سبب سے
وہ فعل واقع نہیں ہوا تو اجر کا حاصل ہونا یقینی ہے
اس لیے کہ منشا اجر نیت اور ارادہ ہے - جناب
ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے واقعات دہراؤ - حضرت
ابراہیمؑ نے نہایت استقلال سے آتش نمرود کا
استقبال کیا اگرچہ بعد میں آگ ٹھنڈی ہوگئی مگر
اون کو اجر ملا ۱۷/۵۹ انبیا

حضرت اسماعیلؑ نے کمال اطمینان سے چھری کے
نیچے لیٹنا گوارا کیا اگرچہ بعد میں ذبح سے بچ گئے
مگر اون کو اجر کا استحقاق حاصل ہوگیا ۲۳/۱۰۳ صافات
کیوں ؟ صرف عزم مصمم کی وجہ سے - علاوہ اس کے
علوم عقلیہ میں مسلم ہے کہ دو علتوں کا توارد محلول
واحد پر محال ہے - اصحاب حسینؑ تکالیف اہلبیت
کے احساس میں ازسرتاپا ڈوبے ہوئے تھے -
عضو عضو - اہلبیت کے مصائب سے متاثر تھا اس لیے
وہ تلوار اور نیزوں کی تکلیف سے متاثر نہیں ہوئے
خدا نے کسی شخص کے دو دل اس کے سینہ میں
نہیں پیدا کئے - ۲۱/۴ احزاب

فلسفہ وداد اور جذبہ شوق کا گہری نظر سے
مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ شوق میں کس قدر
کشش اور قوت ہے - انوار نعمانیہ میں ایک دلکش
واقعہ مذکور ہے - ایک شخص اپنے محبوب کی طرف
ملتفت تھا اور کفگیر کو ہاتھ سے حرکت دے رہا تھا
جذب شوق اس قدر بڑھا اور نظارہ جمال میں اس قدر
محو ہوا کہ کفگیر ہاتھ سے چھوٹ گیا اور ہاتھ اس کا
قائم مقام ہوا - رفتہ رفتہ ہاتھ جل کر خاک ہوگیا - مگر

مشتاق جمال کو کچھ خبر نہیں ہوئی۔
مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف کو دیکھ کر
انتہائے محویت میں بجائے ترنج کے اپنے ہاتھ
کاٹ ڈالے ۱۲/۱۲ یوسف۔

جب شوق میں اتنی قوت ہے اور اصحاب کا نہایت شوق تھا، پروردگار معلوم ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ باوجود اس کامل شوق کے اصحاب حسین کو کوئی اذیت کوئی تکلیف اپنی طرف متوجہ کر سکے اور ماحب شوق دوسری طرف ملتفت ہونے دے

دشمنوں کے دلوں میں حسینی شیروں کا دبدبہ

قد کان لکم آیۃ فی فئتین التقتا فئۃ تقاتل فی سبیل اللہ واخری کافرۃ یرونھم مثلیھم رای العین ۳/۱۳ آل عمران

تمہارے لیئے ان دونوں گروہوں میں جو باہم گتھ گئے تھے ایک نشانی تھی ایک گروہ تو اللہ کی راہ میں مقابلہ کرتا تھا اور دوسرا کافر تھا جنھیں مسلمان اپنی آنکھوں سے دوگنا دیکھ رہے تھے"

یہ آیت بدر کے موقع کو یاد دلا رہی ہے جس میں کافروں کا گروہ مسلمانوں سے دوگنا تھا لیکن پھر بھی مسلمانوں کی فتح ہوئی۔ آخر اس میں کیا راز تھا۔ اسکو دوسری آیت ظاہر کر رہی ہے۔

ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وان یکن منکم مائۃ یغلبوا الفا من الذین کفروا ۸/۶۵ انفال

اگر تم میں سے بیس پرجگر صابر ہوں گے تو وہ دوسو پر بھاری ہوں گے اور اگر تم میں سے سو ہوں گے تو وہ ہزار کافروں پر غالب رہینگے"

فلسفۂ تربیت عسکری بجز اسلام کے آجتک کوئی کار بند نہیں ہوا۔

اسلام قشون قاہرہ کی اعانت کا محتاج نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اُس نے چند ہی آدمیوں میں وہ روح پھونکدی انھیں اس قدر بیدار اور ارادہ کا پکا بنادیا کہ وہ بڑی بڑی کثیر جماعتوں سے مڈبھیڑ کر سکے۔

۱۸ بنی ہاشم اور ۵۴ اصحاب کی تعداد رہی گیا۔ جس میں شش ماہہ مجاہد کا بھی شمار تھا۔ یہ لوگ دو ایک کے مقابلہ میں نہیں آئے۔ بلکہ بہتیار بندوں کی بہت بڑی اور کثیر جماعت کے مقابلہ میں ڈٹ گئے جن کی تعداد بقول بعض ۲۲ ہزار (امام یافعی) اور بقول بعض پچاس ہزار (ابوفراس) اور بقول بعض اسی ہزار (ابومخنف) اور بعض کا خیال دولاکھ سے پندرہ لاکھ ہے۔ بہرحال بیس ہزار سے کم اور ۵۱ ہزار سے زیادہ نہیں۔ (ناسخ ۲۳۳) اکاون ہزار سے زیادہ جو تعداد بتائی جاتی ہے اس میں وہ لوگ بھی شریک ہیں جو لشکر کی مختلف ضروریات کے متکفل تھے۔

حسینی فوج کے ایک ایک سرفروش نے بڑی بڑی جماعتوں کو زیر و زبر کر ڈالا۔ صرف بہتر محرّم الحرام

بقول ابی مخنف کم از کم ستر شخص قتل کئے۔ وہب بن عبداللہ نے بارہ پیادے انیس سوار، بریر بن خضیر نے ۳۰ شخص۔ مسلم بن عوسجہ نے ۵۰ شخص پسر مسلم نے ۲۰ شخص۔ حبیب نے ۶۲ شخص۔

ممکن تھا ہم تمام اصحاب کے مقتولوں کی فہرست پیش کر دیتے۔ لیکن انفرادی حیثیت سے اس میں اختلافات ہیں اور ہم سرسری بحث کے ساتھ گزرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے اس بیان کو کافی سمجھتے ہیں تاہم بہ نتیجہ صاف طور سے نکالا جا سکتا ہے کہ آسمان و زمین کے بادشاہ کا ہاتھ اصحاب حسین ؑ کی پشت پر تھا۔ اس لیے کہ آیت بالا میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ۲۰ صابر ۲۰۰ پر غالب آئیں گے اور ۱۰۰۔ ایک ہزار پر۔ معرکۂ کربلا میں جو صورت اصحاب کے سامنے پیش تھی اُس کا کچھ عجیب عنوان تھا۔ ایک ایک آدمی کے مقابلے میں ایک ایک ہزار کا پرا تھا۔ بلکہ ایک ایک کے مقابلہ میں ہزاروں کا لشکر سمٹ آتا تھا اور یہ سب کو بھگا دیتے تھے۔ اور اس وجہ سے دشمنوں کے دل اُن سے دہلے ہوئے تھے۔ ہم ذیل میں چند عبارتیں پیش کرتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہوگا کہ لشکر یزید کو حسینی سرفروشوں سے کس قدر دہشت اور ہراس تھا اور اصحاب حسینی کے متعلق اون کے دلوں میں کیسے خیالات موجزن تھے۔ جب عابس بن شبیب، جنگ کے لیئے آئے ہیں تو اُنھوں نے الا رجل۔ الا رجل۔ (کیا کوئی مرد ہے)۔ کی آواز بلند کی۔ ربیع بن تمیم لشکر عمر سعد میں ایک

شخص تھا کہنے لگا کہ میں عابس کو خوب پہچانتا ہوں۔

(ایھا الناس ھذا اسد الاسود ھذا ابن شبیب)۔

خبر ہے یہ شیروں کا شیر ابن شبیب ہے جو اُس کے سامنے جائیگا وہ بچہ موت سے نجات نہیں پا سکتا۔ (تاریخ ۲۴۵)

وصاح عمر بن الحجاج الناس اتدرون من تقاتلون فرسان المصر قوما مستمیتین لا یبرزون لھم منکم احدا فانھم قلیلون وقل ما یبقون۔ واللہ لو ترموھم بالحجارۃ لقتلتموھم فقال عمر بن سعد صدقت الرای (طبری۔ ابن جریر ۱۳۳ھ)

عمر بن حجاج (سردار لشکر ابن سعد) نے بہ آواز بلند کہا۔ "تمھیں معلوم ہے تم کس سے لڑ رہے ہو یہ شہسواران بلا ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ تم میں سے فرداً فرداً ان سے کوئی مقابلہ نہ کرے یہ تھوڑے ہیں اور تھوڑی دیر زندہ رہیں گے۔ مگر خدا کی قسم اگر تم سب مل کر ان پر پتھر نہ برساؤ گے تو یہ تم کو فنا کر دیں گے۔ ابن سعد نے کہا بیشک تمھاری رائے صحیح ہے۔

(تاریخ طبری ابن جریر ۱۳۳ھ)

در شرح شافیہ مسطور ست کہ مردے از لشکر عمر بن سعد را گفتند وائے بر تو با فرزند رسول قتال داری۔

قال عضعت بالجندل انك لو
شهدت ماشهدنا لفعلت ما
فعلنا۔ ثارت علینا عصابة
ایدیها فی مقابض سیوفها
کالاسود الضاریة تحطم الفرسان
یمینا وشمالا وتلقی انفسها علی الموت
لاتقبل الامان ولا ترغب فی
المال ولا یحول حائل بینها
وبین الورود علی حیاض المنیة
والاستیلاء علی الملك فلو
كففنا عنهم رویداً لاتت علی
نفوس العسكر بحذافیره فما كنا
فاعلین لا ام لك رناسخ (۲۴۳)

کسی شخص نے لشکر یزید کے کسی سپاہی سے کہا افسوس تم نے فرزند رسول سے جنگ کی اس نے کہا تمھیں پتھر چبانا نصیب ہو جو ہم نے دیکھا اگر تم بھی وہی دیکھتے تو وہی کرتے جو ہم نے کیا۔ ایک جماعت ہم پر ٹوٹ پڑی جو حملہ آور شیروں کی طرح تلواروں کے قبضوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھی۔ داہنے بائیں۔ شہسواروں کو چور کئے دیتی تھی۔ اپنے کو موت کے منہ میں ڈالے دیتی تھی نہ وہ امان کو قبول کرتی تھی نہ مال و دولت کی طرف رغبت کرتی تھی۔ اور نہ کوئی شے اس کے اور موت کے چشموں پر اترنے اور ملک پر غالب آنے کے درمیان حائل ہوتی تھی۔ اگر ہم تھوڑی دیر کو بھی اپنا ہاتھ روک لیتے تو وہ تمام لشکر کو فنا کر دیتی پھر ایسے وقت ہم بجز اس کے اور کیا کرتے۔ (تیری ماں مرجائے)۔

حسینؑ سرفروشوں کے آقا کی بارگاہ میں بہادرانہ کلمات

ایمان والو تم ایسی باتیں کیوں کرتے ہو جن کو کرکے نہیں دکھاتے۔ خدا کے نزدیک بڑے غضب کی بات ہے کہ تم ایسی باتیں کہو جس کو پورا نہ کر سکو ۲۸ پ صف۔ آیت کے تیور بتاتے ہیں کہ بے بنیاد دعووں کی زد بہت تلی ہوئی ہے۔ تاریخ سے اُن لوگوں کے نشانے کی تعیین ہوجاتی ہے جو بڑھ بڑھ کے بولا کرتے تھے اور عملی میدان ان سے خالی رہتا تھا۔ اصحاب رسول ایک روز بیٹھے ہوئے گفتگو کر رہے تھے۔ کہ اگر ہماری نظر میں وہ عمل معین ہو جائے جو خدا کو سب سے زیادہ پسند ہو تو ہم اُس کی تعمیل میں اپنی جان و مال بھی دریغ نہیں کرینگے جب آیہ ان اللہ یحب الذین ۲۸ پ صف نازل ہوئی تو یہی لوگ جنگ احد میں بھاگ کر دکھائی دیئے۔ اور رسول کو دشمنوں کے مجمع میں چھوڑ گئے درمنثور سیوطی (۲۱۳ ۹۱ پ ۱۱)

ہم اس عنوان کے تحت میں اصحاب حسینؑ کے پر شوکت اور بہادرانہ الفاظ نقل کریں گے۔ جن سے اُن کی قلبی حالت معلوم ہو سکیگی اور ناظرین کو اس موازنہ کا موقع ملیگا کہ حسینؑ کے اصحاب کے دہن سے جو لفظیں نکلی تھیں وہ کہاں تک سچائی میں ڈوبی ہوئی تھیں اور اصحاب رسول کے فعل میں

کس حد تک ارتباط تھا۔

قالوا انفوسنا دون نفوسكم ودماؤنا
دون دمائكم وارواحنا لكم
الفداء والله لا يصل اليكم بمكروه
وفينا الحياة وقد وهبنا للسيوف
انفسنا وللطير ابدانا فلعلنا
نقيكم زلف الصفوف وتشرف.
دونكم الحتوف فقد فاز من
كسب اليوم خيرا وكان لكم من
المسيئون مجيرا (مقتل ابی مخنف)
ناسخ ۲۷۷/۹

اصحاب نے اہلبیت سے کہا ہماری جانیں آپ پر قربان ہمارا خون آپ پر نثار ہماری روحیں آپ پر فدا۔ خدا کی قسم جب تک ہماری دم میں دم ہے آپ کو کوئی گزند نہیں پہونچ سکتا۔ ہم نے تلواروں کے لیے اپنی جانیں اور تیروں کے لیے اپنے جسم ہبہ کر دیے ہیں۔ ہم آپ کے سامنے موت کا شرف حاصل کریں گے۔ جس نے آج نیکی کی اور آپ کو موت سے بچالیا کامیابی اُس کے لیے ہے۔

قال مسلم بن عوسجة لا افارقك
حتى اكسر فی صدورهم رمحی
واضربهم بسيفی ولو لم يكن معی
سلاح لقذفتهم بالحجارة
حتى اموت (تاریخ کامل ابن اثیر)

مسلم بن عوسجہ نے کہا میں آپ کا ساتھ اُس وقت تک نہ چھوڑوں گا جب تک میرا نیزہ اعداء کے سینہ میں نہ ٹوٹ جائے۔ میں انھیں اپنی تلوار سے ماروں گا اور اگر میرے پاس کوئی ہتھیار نہ ہوگا تو میں اُن پر سنگساری کروں گا یہاں تک کہ مجھ کو موت آجائے۔

قال سعد بن عبد الله الحنفی والله
لا نخليك حتى يعلم الله انا قد
حفظنا غيبة رسول الله فيك
والله لو علمت انی اقتل ثم احيی
ثم احرق حيا يفعل بی ذلك
سبعين مرة ما فارقتك حتى القى
حمامی دونك وكيف لا افعل
ذلك وانما هی قتلة واحدة
ثم هی الكرامة التی لا انقضاء
لها ابدا۔

وقال زهير بن القين والله
لوددت انی قتلت ثم نشرت ثم قتلت
حتى اقتل كذا الف قتلة وان الله
يدفع بذلك القتل عن نفسك
وعن انفس هولاء الفتية من
اهل بيتك وتكلم جماعة بكلام يشبه
بعضه بعضا فی وجه واحد فقالوا
والله لا نفارقك ولكن انفسنا لك
الفداء نقيك بنحورنا وجباهنا و

ایدینا فاذا نحن قتلنا کنا وفینا وقضینا ما علینا (طبری)

سعد بن عبد اللہ حنفی نے کہا خدا کی قسم ہم آپکو اُس وقت تک نہ چھوڑیں گے جب تک خدا کے سامنے عملی حیثیت سے یہ نہ ظاہر کردیں کہ ہم نے رسول کی حفاظت صرف انکی ذات تک ہی کی۔

بلکہ خدا کی قسم اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ میں قتل کیا جاؤں گا۔ پھر زندہ کیا جاؤں گا پھر زندہ جلا دیا جاؤں گا اور یہ سلوک میرے ساتھ ستر مرتبہ ہوگا تو بھی میں آپ کا ساتھ اوس وقت تک نہ چھوڑونگا جبتک موت سے بغلگیر نہ ہو جاؤں اور جب یہہ معلوم ہے کہ ایک ہی بار مرنا ہے اور اس کے بعد وہ کرامت ہے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتی تو کس طرح اس سے باز رہ سکتا ہوں۔ پھر زہیر بن قین نے کہا خدا کی قسم میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں۔ یہاں تک کہ اسی طرح ہزار مرتبہ قتل کیا جاؤں۔ مگر اللہ میرے اس قتل کو آپ کی اور آپ کے جوانانِ اہل بیت کی جانوں کو اس مصیبت کو دفع کر دے۔ پھر باقی اصحاب نے بھی اسی طرح کی ملتی جلتی تقریریں کیں اور سب نے عرض کیا کہ ہم آپ کو ہرگز نہ چھوڑیں گے۔ اور اپنی جانیں آپ پر نثار کر دیں گے۔ ہم اپنے گلوں اور پیشانیوں اور ہاتھوں سے آپ کو بچائیں گے اور جب قتل ہو جائیں گے تو ہمارا عہد پورا اور ہمارا فریضہ ادا ہو جائیگا۔

یہ کلمات اس خطبہ کا جواب ہیں جو سید الشہداء نے شب عاشور اصحاب کی گردنوں سے اپنی بیعت نکالکر اون سب کو رخصت دیدی تھی کہ تم سب مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ۔ (اسرار الشہادۃ ۲۶۶ ناسخ ۲۴۲/۴ ف ۲۴۲/۴ مہیج الاحزان صفحہ ۱۰۴۔ ارشاد قلمی ۱۰۴۔ مناقب ۹۳/۴ روضۃ الشہداء ۲۹۵

جب یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ اس وقت محمد بن حضرمی کو اطلاع ہوئی کہ تمھارا بیٹا ملک رے میں گرفتار ہو گیا۔ امام حسینؑ نے فرمایا: "انت فی حل من بیعتی" میں نے اپنی بیعت تم سے اٹھالی تم اپنے لڑکے کی رہائی کی فکر کے لیے چلے جاؤ۔ فقال اکلتنی السباع ان فارقتک" محمد نے کہا کہ اگر میں آپکو چھوڑ کر چلا جاؤں تو مجھے درندہ کھا جائیں (ناسخ ۲۴۲/۴)

عابس بن شبیب ایک موقع پر کہتے ہیں:- یا ابا عبد اللہ اما واللہ ما امسی علی وجہ الارض قریب ولا بعید اعز علی ولا احب الی منک ولو قدرت علی ان ادفع عنک الضیم او القتل بشی اعز علی من نفسی ودمی لفعلت (ناسخ ۲۴۴/۴)

مولا! کوئی مخلوق روئے زمین پر خواہ قریب ہو یا بعید میرے نزدیک آپ سے زیادہ عزیز و محبوب نہیں ہے اور اگر مجھ کو قدرت ہوتی کہ میں آپ سے ظلم و قتل کو کسی ایسی شے سے دفع کرتا جو میری جان اور میرے خون سے زیادہ مجھے عزیز ہوتی تو میں اُسے بھی صرف کر کے دفع کرتا۔

(باقی- باقی)

یزید لعین اور حضرت امام حسین علیہ السلام

حضرت عماد العلماء مولانا سید محمد رضی صاحب قبلہ مجتہد لکھنوی

ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ مشاہیر علماء اسلام نے یزید کو کیا لکھا ہے اور اس کے کیریکٹر پر کن الفاظ میں روشنی ڈالی ہے پھر اس کے بعد خود بخود ان عقل و ہوش کے دشمن اور ننگ انسانیت خیالات پر روشنی پڑ جائے گی جن سے یزید کی تائید کی جاتی ہے۔

اُن الفاظ کو ہم آیندہ بیان کریں گے جو امام حسینؑ کی زبان اقدس پر جاری ہو کر مسلمانوں کو بتا گئے کہ یزید کی کیا حیثیت تھی۔ سب سے پہلے اُن خیالات کو پیش کیا جاتا ہے مقاصد تحریر کا جن سے زیادہ تعلق ہے خود یزید کے بیٹے معاویہ کا خطبہ جو صواعق محرقہ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۳۴ اور حیواۃ الحیوان مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۷۷ میں ہے۔

معاویہ بن یزید کی تقریر

(۱) ان معاویۃ بن یزید ابن معاویۃ لما ولی صعد المنبر فقال ان هذه الخلافۃ فجعلها اللہ تعالیٰ وان جدی معاویۃ نازع الامر من اهلہ هو احق بها منہ علی بن ابیطالب ورکب بکم ما تعلمون حتی اتتہ منیتہ فصار فی قبرہ رهینا بذنوبہ ثم تقلد ابی الامر وکان غیر اهل لہ ونازع ابن بنت رسول اللہ۔ فقصف عمرہ وانبتر عقبہ وصار فی قبرہ رهینا بذنوبہ ثم بکی وقال ان من اعظم الامور علینا علمنا سوء مصرعہ وبئس منقلبہ وقتل عترۃ رسول اللہ واباح الخمر وخرب الکعبۃ ولم اذق حلاوۃ الخلافۃ فتقلدہ اتقلد مرارتها فشانکم امرکم واللہ لئن کانت الدنیا خیرا فقد نلنا منها حظا ولئن کانت شرا فکفی ذریۃ ابی سفیان ما اصابوا منها۔

"اس عبارت کا ترجمہ صاحب براہین قاطعہ نے اس طرح کیا ہے"۔

چوں معاویہ بن یزید بن معاویہ والی امر خلافت شد بر منبر آمد و گفت کہ امر خلافت عہد یست از جانب خدا رسالتمآبؐ و رسول او باختیار احدے نیست مگر خدائے تعالیٰ ہر کہ را لائق امر خلافت کردہ است پس او خلیفہ میشود نہ ایں کہ اختیار مرداں باشد و ہر کس کہ میخواہند خلیفہ نمایند و اورا امام دین خوانند امامت و نبوت بید قدرت دوست ہر کرا خواہد قابلیت ایں امر بدوست۔ چنانکہ الٰہیہ مہتر داؤد میخواست کہ بعد از تو داؤد فرزند پیغمبر شود خدائے تعالیٰ فرمود کہ اے داؤد نبوت و امامت اختیار بمن است نہ بر تو عہد بر الٰہیہ تو فردا دو مرد نزد تو خواہند رسید

و دعوی بزرگی گرفتہ خواہند نمود۔ آں مقدمہ بر پسراں خود داری ہر یک درداں حکم کند بنی ست حکم حضرت سلیمان نمود و بد رستیکہ جدمن معاویہ نزاع کرد دریں امر باکیکہ ازخدا اور رسول خدا خلیفہ اودین و دنیا احق و اولے بود او وے علی ابن ابیطالب و مرتکب امر چند شد کہ شما او را امید انید وقتیکہ وفات یافت در قبر رہین ذنوب گشت باز پدر من مقلد ایں امر گشت و لیاقت برائے او نداشت و با پسر دختر رسولؐ منازعہ نمود پس شکست عمر خود را و قطع نمود او را و امروز در قبر بوبال و نکال گناہاں خود گرفتار است بعد ازاں گریہ بسیار کرد و گفت اعظم امور بعلم ما آنست کہ بد است مصرع از و بد است منقلب او بد رستیکہ قتل کرد عترت رسولؐ را و اباحت خمر نمود و کعبہ را خراب کرد الخ۔

اھل البیت ادری ما فی البیت (گھر والے گھر کے حالات سے زیادہ واقف ہوتے ہیں)

معاویہ بن یزید بن معاویہ کی یہ مشہور تقریر حضرت معاویہ اور یزید کی نیتوں کا پورا پورا حال بتا رہی ہے آج حاشیہ نشینان بزم یزیدی اوس کی مدح و ثنا میں زمین کے قلابے آسمان سے ملادیں لیکن حق وہ ہے جو ظاہر ہو کے رہتا ہے۔ یزید کا بیٹا اپنے باپ کا کن الفاظ میں ذکر کر رہا ہے۔ کیا دنیا میں کوئی سمجھدار فرزند اپنے باپ دادا کی علی الاعلان مذمت کر سکتا ہے۔ جب تک کوئی ایسی ہی بات نہ ہو جس سے بیٹا اس پر مجبور ہو جائے کہ باپ دادا کی مذمت کرے اگر کوئی غیر کہتا تو کل دنیائے سواد اعظم اوس کی زبان بندی کرنے کے لیے تل جاتی۔ لیکن اس کا کیا علاج ہے کہ خود وہ بیٹا یزید و حضرت معاویہ کے خون سے جس کی ساخت ہوئی علی الاعلان ممبر پر آباؤ اجداد کے فسق و فجور اور چھپے ہوئے بھیدوں کی کہانی کہہ رہا ہے۔ ان دونوں میں کون حق پر تھا۔ اس کا فیصلہ ہمارے ذمہ نہیں ہے۔

اس تقریر کے الفاظ سے اس کا بھی پوری طرح پتہ چل گیا کہ معاویہ بن یزید کے نزدیک خلافت حضرت علیؑ کا حق تھا نہ حضرت معاویہ کا اور اسی طرح یزید نے حضرت امام حسینؑ کا حق چھین کر ذریت رسول اللہ کو قتل بھی کیا۔ جس کے سبب سے یہ دونوں بقول معاویہ بن یزید کے اپنے گناہوں کے پہاڑوں کے نیچے قبر کے اندر دبے ہوئے ہیں۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ خلافت کو بچوں کا کھیل نہیں سمجھتا تھا بلکہ اوس کے نزدیک یہ ایک آسمانی چیز تھی جو بغیر حکم خدا کے کسی شخص کے لیے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اوس کے نزدیک شورائے مسلمین یا وصیتیں کسی کو خلیفۃ اللہ نہیں بنا سکتیں نہ کسی کی خود ساختہ مشین بغیری کے پرزے ڈھال سکتی ہے۔ بلکہ پیغمبر یا خلیفہ و امام وہی بنا سکتا ہے جس نے عالم کی ہر شے بنائی ہو۔

(خدا معاویہ بن یزید پر رحم کرے)

یزید کا حکم قرآنی کو ٹھکرانا

(۲) یزید نے اپنی ولیعہدی کے زمانہ میں ام المومنین حضرت عائشہ سے نکاح کا پیغام بھیجا۔ اور آیہ قرآنی "ازواجہ امھاتہم" کی پرواہ نہ کی (ترجمہ مدارج النبوۃ جلد اصفحہ ۲۲۶) تعجب ہے کہ

یہ حدیث کیونکر صحیح ہو سکتی ہے لیکن کیا کریں کہ کتاب بھی مستند ہے۔

امام حسینؑ کے سامنے شراب پیش کرنے کی جسارت کرنا

(۳) حالت ولیعہدی میں حج کو جاتے ہوئے مدینہ میں مجلس شراب آراستہ کرنا اور ایک پیالہ پی کر امام حسینؑ کے آگے پیش کرنا جس پر آپ نے فرمایا کہ اے شخص تیری شراب تجھ ہی کو مبارک رہے (کامل ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۵۰ مطبوعہ مصر

یزید کی عیاشی

(۴) وکان یزید صاحب طرب وجوارح وکلاب وقرود وفهود ومنادمة على الشراب و غلب على اصحاب يزيد وعماله ما كان يفعله من الفسوق وفي ايامه ظهر الغنا بمكة والمدينة واستعملت الملاهي واظهر الناس شرب الشراب

(مروج الذہب مسعودی جلد ۲ صفحہ ۱۴۷)

یزید بڑا عیاش تھا اور شکاری جانوروں کتوں اور بندروں چیتوں میں مصروف رہتا تھا۔ شراب کی مجلسیں آراستہ کرتا تھا اور جو فسق وفجور کی حرکتیں وہ خود کرتا تھا وہی اُس کے اصحاب اور عاملوں میں بھی پھیل گئیں۔ اُس کے عہد حکومت میں مکہ و مدینہ میں "غنا" رائج ہوئی اور آلات لہو ولعب استعمال کیئے جانے لگے۔ اور ظاہر بظاہر لوگ شراب نوشی کرنے لگے۔

یزید فرعون سے بدتر تھا

(۵) ولما شمل الناس جور يزيد وعماله وعمهم ظلمه وما ظهر من فسقه من قتله ابن بنت رسول الله وانصاره وما ظهر من شرب الخمور وسيره سيرة فرعون بل كان فرعون اعدل منه في رعيته وانصف منه لخاصته وعامته اخرج اهل المدينة عامله عليهم وهو عثمان وسائر بني امية

(مروج الذہب مسعودی جلد ۲ صفحہ ۱۴۸)

جب یزید اور اُس کے حکام کا ظلم و جور عام ہو گیا اور رسول اللہ کے نواسے کے قتل سے اُس کا فسق پوری طرح ظاہر ہو چکا اور نیز شراب پینے سے اُس کی اسلام نوازی کھل گئی اور یہ معلوم ہو گیا کہ اُس کی سیرت فرعون کی سی سیرت ہے بلکہ وہ بھی اُس سے زیادہ عدالت پسند تھا اپنی کل رعیت اور تمام خاص و عام میں وہ اس سے زائد انصاف کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا تو اہل مدینہ نے (عثمان) کو جو اس کی طرف سے اُن پر حاکم تھا اور تمام بنی امیہ کو شہر سے نکال دیا۔

یزید کا حرمت مدینہ برباد کرنا

(۶) فسير اليهم بالجيوش من اهل الشام عليهم مسلم بن عقبة المري الذي اخاف المدينة ونهبها وقتل اهلها وبايعه اهلها على انهم عبيد ليزيد سماها منتنة وقد سماها رسول الله طيبة وقال من اخاف اهل المدينة اخافه الله

(مروج الذہب مسعودی جلد ۲ صفحہ ۱۴۹)

اس پر یزید نے اہل مدینہ کی سرکوبی کے لیئے

شامیوں کا لشکر بسرکردگی مسلم بن عقبہ کروانہ کیا مسلم نے اہلِ مدینہ کو خوف زدہ کیا اور اُن سے یزید کے لیے غلامی کی بیعت لی۔ رسول اللہ نے مدینہ کا نام (طیبہ) رکھا تھا۔ اوس نے نتنہ نام رکھا۔ اس نے قسم قسم کے مظالم کو شہر طیب مدینہ پر جائز رکھا حالانکہ رسالتمآب فرما گئے تھے کہ جس نے اہلِ مدینہ کو خوف زدہ کیا خدا اُس کو خوف زدہ کریگا۔

یزید نے کعبہ ڈھایا اور اُس میں آگ لگائی

(۷) ولیزید وغیرہ اخبار عجیبہ ومثالب کثیرۃ من شرب الخمر وقتل ابن الرسول ولعن الوصی وھدم البیت واحراقہ وسفاک الدماء والفسق والفجور وغیر ذلک مما قد ورد فیہ الوعید بالیاس من غفرانہ کورودہ فی من جحد توحیدہ وخالف رسلہ۔

(مروج الذہب جلد ۲ صہ ۱۵۲)

یزید اور اُس کے اعوان و انصار کے عجیب عجیب حالات ہیں ان کے مثالب، عیوب گناہ، بیشمار ہیں جیسے شراب پینا۔ فرزند رسول کو قتل کرنا۔ وصی رسول پر لعنت کرنا۔ کعبہ کا منہدم کرنا۔ جلانا، اور مسلمانوں کا خون بہانا۔ فسق و فجور کرنا۔ ان امور کے علاوہ اس کے اور بہت سے گناہ ہیں جو قابلِ بخشش نہیں ہیں۔ اور جس طرح منکر توحید و منکر رسالت رسل و نبوت انبیا کو نجات سے مایوس ہونا چاہیئے اسی طرح یزید ن

معاویہ کو بھی۔

دُنیائے سنیت اپنے امام مسعودی سے اچھی طرح واقف ہوگی ۳۴۶ھ میں ان کی وفات ہوئی جس کو ایک ہزار برس سے زائد ہوئے۔ مولوی شبلی نعمانی نے بھی ان کی تعریف کی ہے۔ اور انھیں معتبر مورخین میں شمار کیا ہے۔ ذرا یزیدیت مآب ان کے ارشادات کو ملاحظہ فرمائیں جو اُنھوں نے اُن کے حضرت یزید خلیفۃ اللہ کے متعلق فرمائے ہیں۔

کیا ان تمام (محاسن صفات) کے بعد بھی یہ کہے جانے کی گنجائش ہے کہ یزید ایک مسلمان ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ زبان جل جانے کے قابل ہے جو امام مسعودی اور معاویہ بن یزید کے ان زریں خیالات کی مخالفت کرے اور یزید کو مشرکین وملحدین سے بدتر نہ سمجھے۔

مدینہ کا تباہ کرنے والا، لعنت کا مستحق ہے

(۸) من اخاف اھل المدینۃ ظلماً اخافہ اللہ وعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین

(رواہ مسلم) (تاریخ الخلفاء مطبوعہ مصر صہ ۸ وصواعق محرقہ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۳۴)۔

جس نے اہلِ مدینہ کو ڈرایا اور قتل کی دھمکی دی اُسے خدا اپنے عذاب سے ڈرائیگا۔ اور اُس پر خدا کی لعنت ہو۔ اور ملائکہ اور تمام لوگوں کی

ان میں یہ بھی لکھا ہے کہ یزید اس حدیث کا مصداق تھا۔

اس تصریح کے بعد اس حدیث سے اس کا پوری طرح پتہ چل گیا کہ یزید خدا اور ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت کا مستحق ہے اس کے بعد کیا میں دنیائے انصاف سے پوچھ سکتا ہوں کہ جب وہ اہلِ مدینہ جنھیں رسولؐ کی طرف محض معمولی سی نسبت حاصل تھی اُن کا یہ احترام ہو گیا کہ اُنھیں صرف ڈرانے والا اس کا مستحق ہے کہ خدائے قہار اُسے اپنے عذاب کی دھمکیاں دے چہ جائے کہ اُنھیں قتل کرنے والا لیکن اب ذرا مجھے علامہ سیوطی اور صاحب صواعق محرقہ بتائیں کہ حسینؑ کیا اہلِ مدینہ سے بھی بدتر تھے ایک طرف ساکنانِ شہر مدینہ کا یہ اعزاز اور دوسری جانب نواسہ رسولؐ واجب القتل اور باغی سمجھا جائے اور اُس کا خون مباح کر دیا جائے اور اُس کے خلاف یزید کی حمایت میں اُسے پیغمبری کا مستحق سمجھا جائے (شرم شرم)

یزید کا اپنی ماں بہنوں کے ساتھ زنا کرنا۔

(۹) وکان ابن حنظلہ یقول یا قوم واللہ ما خرجنا علی یزید حتیٰ خفنا ان ترمی الحجارۃ من السماء وانہ رجل ینکح البنات والامہات والاخوات ویشرب الخمر ویدع الصلوۃ ویقتل اولاد النبیین (تذکرۂ خواص الامہ قلمی صـ۲۴۵)

ابنِ حنظلہ کہتے تھے کہ اے قوم خدا کی قسم ہم نے یزید کے خلاف اُس وقت تک خروج نہیں کیا جب تک ہمیں اس کا ڈر نہ پیدا ہوا کہ اب آسمان سے پتھر برسیں گے اور یزید تو ایسا شخص ہے جو اپنی بیٹیوں ماں بہنوں کے ساتھ نکاح کرتا ہے۔ علی الاعلان بلا خوف شراب پیتا ہے۔ اور انبیا کی اولاد کو قتل کرتا ہے۔ اور نماز نہیں پڑھتا۔

ان تمام احادیث کے علاوہ کچھ وہ پیش گوئیاں بھی ہیں جن میں بقول علمار سواد اعظم رسولؐ اللہ اس کی خبر دے گئے تھے۔ چنانچہ اُن میں سے بعض درج ذیل ہیں:۔

(۱۰) عن ابی عبیدہ قال قال رسولؐ اللہ لا یزال امر امتی قائما بالقسط حتی یکون اول من یثلمہ رجل من بنی امیہ یقال لہ یزید۔

(تاریخ الخلفاء صـ۱۵۸ صواعق محرقہ صـ۱۳۲)

ابوعبیدہ سے روایت ہے کہ جناب رسالتمآب نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے امور برابر درست رہینگے یہاں تک کہ وہ پہلا شخص جو اُن میں رخنہ اندازی کرے گا وہ بنی امیہ میں سے ایک شخص ہوگا جس کا نام یزید ہوگا۔

ان ہی دو کتابوں میں پھر ایک مقام پر ہے سمعت النبیؐ یقول اوّل من یبدل سنتی رجل من بنی امیہ یقال لہ یزید صـ۱۹

میں نے رسول کو کہتے ہوئے سنا کہ پہلا وہ شخص جو میری سنت کو بدلے گا وہ بنی امیہ ہی کا ایک شخص ہوگا

جس کا نام یزید ہو گا۔

خیر اس حدیث سے یہ تو ثابت ہو ہی گیا کہ شریعت بنی امیہ ہی کے نونہال نے بدلی جو اُن کی نیک نامی کیلئے بہت کافی ہے۔

ان دو حدیثوں کے پیش کرنے کا مطلب یہ نہ خیال کیا جائے کہ ہم انھیں بالکل صحیح سمجھتے ہیں اور امامت کو اس وقت تک قائم بالقسط خیال کرتے ہیں۔ جنتاب مظالم یزید کا ظہور نہوا تھا ہمارے نزدیک اس قسم کی حدیثیں کبھی صحیح مفاد پر روشنی نہیں ڈال سکتیں اور نہ رسالتمآب کی ذات کی طرف انھیں منسوب کیا جا سکتا ہے۔

لیکن ہمارے مقاصد کا جہاں تک ان سے تعلق ہے صرف اس حد تک ہے کہ جو قوم رسالتمآب کی طرف سے ایسے ایسے اقوال و ارشادات کو منسوب کرتی ہو اُسے یزید کی تعریف و ثنا خوانی کرتے ہوئے کیوں شرم نہیں آتی یا تو خود رسول سچے نہ تھے (العیاذ باللہ) اور یا وہ نام نہاد مسلمان رسولؐ کے اس قول کی تکذیب کر کے دائرہ اسلام سے خارج ہو کر اولٰئک ھم اصحاب النار کا مصداق صحیح بن گئے۔

(۱۱) مدینہ والوں کا ایک وفد یزید کے حالات معلوم کرنے گیا تھا اُس کا سردار ابن حنظلہ تھا۔ جب ارکان وفد کی یزید سے ملاقات ہوئی تو اُس نے ابن حنظلہ اور منذر بن ربیع کو ایک ایک لاکھ درہم دیئے۔ ان دونوں کے علاوہ اور لوگوں کو بھی حسب حیثیت بہت کچھ دیا اسی وفد نے یزید کے متعلق اپنے چشم دید حالات بیان کئے جنھیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

انا قد منا ھذا من عند رجل لیس لہ دین یشرب الخمر و یضرب بالطنابیر و یعزف عندہ القیان و یلعب بالکلاب و یسمر عندہ الخراب وھم اللصوص وانا نشھد کم انا قد خلعناہ

ہم ایک بیدین شخص کے پاس سے آئے ہیں جو شراب پیتا ہے طنبور بجاتا ہے اور اُس کے پاس گانے والے گاتے بجاتے ہیں کتوں سے کھیلتا ہے رات کو چوروں اور بدمعاشوں کی صحبت میں رہتا ہے ہم تم لوگوں کو گواہ کرتے ہیں کہ ہم نے اُسے اُتار دیا۔ اس کے بعد اہل مدینہ نے عبد اللہ بن حنظلہ کی بیعت کر کے اپنا امیر بنا لیا۔

(تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۴۱-۴۲ و تاریخ طبری جلد ۷ صفحہ ۴)

(۱۲) منذر بن زبیر یزید کے پاس سے کوفہ چلا گیا۔ وہ اس کے بعد مدینہ پہونچ نہ سکا جب آیا تو کہا کہ یزید نے اگرچہ مجھے ایک لاکھ درہم دیئے ہیں اور میرا بہت کچھ احترام کیا۔ لیکن میں حق کو چھپا نہیں سکتا۔ اس کے بعد اُس کا یہ قول ہے:۔

واللہ انہ لیشرب الخمر واللہ انہ لیسکر حتی یدع الصلوۃ۔

خدا کی قسم وہ شراب پیتا ہے اور خدا کی قسم وہ اس قدر نشہ میں مخمور رہتا ہے کہ نماز کا وقت گزر جاتا ہے۔

(کامل ابن اثیر جلد صفحہ ۴۲)

یزید کے مشہور اشعار اور اوس کا کفر

(۱۳) قال سبط ابن جوزی وغیرہ المشہور

انه لما جئی راس الحسینؑ جمع (یزید) اهل الشام وجعل ینکث الراس الشریف بالخیزران وینشد ابیات ابن زبعری لیت اشیاخی ببدر شهدوا الابیات المعروفه وزاد فیها بیتین مشتملین علی صریح الکفر

سبط ابن جوزی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ جب امام حسینؑ کا سر یزید کے پاس بھیجا گیا تو اُس نے تمام اہلِ شام کو جمع کیا اور سر مبارک کو بید سے اذیت دی ۔ ابن زبعری کے وہ مشہور اشعار پڑھے جن کا پہلا مصرعہ یہ ہے :۔

کاش میرے وہ بزرگ ہوتے جو بدر کی لڑائی میں مارے گئے ۔

اُس کے بعد دو شعر اور پڑھے جو اُس کے صریحی کفر کفر پر روشنی ڈالتے ہیں ۔ (بعض کتب میں بجائے خندف کے عتبہ لکھا ہوا ہے ۔

(صواعق محرقہ صہ۱۳۱) اور وہ شعر یہ ہیں :۔

لست من خندف ان لم انتقم
من بنی احمد ما کان فعل
لعبت هاشم بالملک فلا
خبر جاء ولا وحی نزل

ینابیع المودۃ صہ۲۷۰ تاریخ طبری اعثم کوفی)

میں خندف یا عتبہ سے نہیں اگر میں احمدؐ کی اولاد سے انتقام نہ لوں جو احمدؐ نے میرے آبا ؤ اجداد کے ساتھ کیا تھا ۔ بنی ہاشم ملک و دولت کے ساتھ کھیل کھیلتے تھے ۔ نہ کوئی خبر آئی تھی نہ کوئی وحی نازل ہوئی تھی ۔

یزید کی رسولؐ اور اولاد رسولؐ سے دشمنی

(۱۴) قال ابن الجوزی فیما حکاه عنه

سبطہ لیس العجب من قتال ابن زیاد الحسینؑ وانما العجب من خذلان یزید وضربه بالقضیب ثنایا الحسینؑ وحمله ال الرسولؐ سبایا علی اقتاب الجمال وذکر اشیاء من قبیح ما اشتهر عنه ثم قال وما کان مقصوده الا الفضیحه ولو لم یکن فی قلبه احقاد جاهلیة واضغان بدریه لاحترم الراس الشریف المبارک واحسن الی ال الرسول (ینابیع المودۃ صہ۲۷۰)

علامہ ابن جوزی کا بیان ہے جیسا کہ اُن کے نواسہ نے نقل کیا ہے کہ ابن زیاد کا امام حسینؑ کو قتل کرنا کوئی تعجب خیز بات نہ تھی ۔ تعجب تو اس پر ہے کہ یزید نے حسینؑ کو ذلیل کیا اور آپ کے سر اطہر پر چھڑی ماری اولاد رسولؐ کو قیدی بنا کر اونٹوں پر سوار کیا اور اُس کی بہت سی قبیح حرکتوں کا تذکرہ

کیا جو تمام زمانہ میں شہرت پا چکی ہیں اور اگر اس کے دل میں ایام جاہلیت کے بغض و عناد اور جنگ بدر کی دشمنیاں نہ ہوتیں تو وہ ضرور سبط نواسہ رسول کا احترام کرتا اور اولاد رسول کی عزت اور اُن کے ساتھ نیک برتاؤ۔

جناب علامہ ابن جوزی کے اِس بیان سے پوری طرح ظاہر ہے کہ یزید کو رسالتمآب اور آپ کی اولاد سے صرف اِس لیے دشمنی تھی کہ اُنھوں نے جنگ بدر وغیرہ میں اُس کے آباؤ اجداد کو قتل کیا تھا۔

کیا اس عالم جلیل کا یہ قول اِس کی شہادت دے رہا ہے کہ حسینؑ باغی تھے اِس لیے یزید اُن کے قتل پر مجبور ہوا۔ کیا اِس سے حسینؑ کی جنگ کا سیاسی ہونا معلوم ہو سکتا ہے۔ علامہ جوزی بچے نہ تھے جو بغیر سمجھے بوجھے کہہ بیٹے لیکن دراصل علامۂ موصوف کی طرح ہر وہ شخص جو ذرا عقل سے کام سے وہ اسے اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ حسینؑ کس لیے جنگ پر مجبور ہوئے اور یزید کے دل میں کیا تھا۔ آنکھیں بند کرکے منہ کھول دینا تو ہر شخص کو آتا ہے۔

(۱۵) قال نوفل بن ابی فرات کنت عند عمر بن عبد العزیز فقال رجل امیر المومنین یزید فقال عمر تقول امیر المومنین ۱۲

نوفل بن ابی فرات سے حدیث ہے کہ میں عمر بن عبد العزیز کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ایک شخص نے یزید کے نام کے ساتھ امیر المومنین کہا تو اس پر عمر نے کہا کہ تو اُس کو امیر المومنین کہتا ہے اور

اُسے بیس تازیانے لگوائے۔

یزید سے امام احمد بن حنبل کی بیزاری

(۱۶) ان ابن الجوزی قال فی کتابہ المسمی بالرد علی المتعصب العنید المانع من لعن یزید سئلنی سائل عن یزید بن معاویہ فقلت یکفیہ مابہ فقال الجوز لعنہ قلت قد اجازہ العلماء الورعون منھم احمد بن حنبل فانہ ذکر فی حق یزید ما یزید علی اللعنۃ ثم روی ابن الجوزی عن القاضی ابی یعلی انہ روی فی کتابہ المعتمد فی الاصول باسنادہ الی صالح بن احمد بن حنبل قال قلت لابی ان قوما ینسبونا الی تولی یزید فقال یا بنی ھل یتولی یزید احد یومن باللہ ولم لا یلعن من لعنہ اللہ تعالی فی کتابہ فقلت فی ای ایۃ قال فی قولہ تعالی وھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم اولئک الذین لعنھم اللہ فاصمھم واعمی ابصارھم فھل یکون فساد اعظم من القتل (ینابیع المودۃ ص۲۷۱)

الرد علی المتعصب العنید میں ابن جوزی نے تحریر کیا ہے کہ کسی نے اُن سے یزید بن معاویہ کے متعلق سوال کیا اس کے جواب میں اُنھوں نے کہا

کہ اُس کے لیئے جو کچھ ہے وہی کافی ہے۔ اُس نے پھر پوچھا کہ اُس پر لعنت کرنا جائز ہے تو اُنھوں نے کہا کہ اس کی تو بڑی بڑی متقی اور پرہیزگار عالموں نے اجازت دی ہے اُن میں سے ایک امام احمد بن حنبل بھی ہیں۔ اُنھوں نے یزید کے متعلق لعنت سے زیادہ کہا ہے۔ اِس کے بعد ابن جوزی پھر کہتے ہیں کہ ابویعلی نے اپنی کتاب المعتمد میں صالح بن احمد بن حنبل سے روایت کی ہے کہ میں نے اپنے والد سے کہا کہ بہت سے لوگ ہماری طرف یزید کی محبت کو منسوب کرتے ہیں کیا یہ صحیح ہو سکتا ہے۔ اس کے جواب میں اُنھوں نے کہا کہ اے فرزند کوئی مسلمان جو خدا پر ایمان رکھتا ہو یزید سے محبت نہیں کرسکتا اور اُس شقی پر ضرور لعنت کرے گا۔ جس پر خدا نے قرآن میں لعنت کی ہے میں نے پوچھا کہ وہ کونسی آیت ہے جواب دیا کہ وہ آیت یہ ہے (ترجمہ) کیا تم بادشاہ ہوجاؤ گے تو زمین پر فساد پھیلاؤ گے اور قطع رحم کروگے۔ ایسے ہی لوگ تو ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور اُن کو اندھا اور بہرا کر دیا ہے۔ تمھیں بتاؤ کوئی فساد قتل سے بڑھ کر ہوسکتا ہے۔

امام احمد بن حنبل نے قرآن سے ثابت کردیا کہ یزید قابل لعنت ہے اور خدا کی بارگاہ میں شیطان کی طرح ملعون ہے اس کے بعد کیا کوئی مسلمان یزید کی مدح سرائی کرسکتا ہے یا اُس کے جہنمی ہونے سے انکار کریگا۔ جبکہ بقول امام احمد قرآن مجید کی صریحی نص اُس کے ملعون ہونے پر روشنی ڈال رہی ہے۔ لیکن اس کے بعد مجھے سخت تعجب ہے کہ ایسا شخص جس کے متعلق ایسے ایسے معتبر علماء اہلسنت لعنت کے فتوے دیں وہ کیونکر خلیفۃ اللہ ہوسکتا ہے اور اُس کے باوجود اجلہ علما نے اُسے کیوں زمرۂ خلفاء میں شمار کیا ہے جن میں سے علامہ جلال الدین سیوطی بھی ہیں حالانکہ وہ اس پر برملا لعنت کرچکے ہیں۔ چنانچہ اُس کی تحریر ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

(۱۷) فقتل وجیئ براسہ فی طست حتی وضع بین یدای ابن زیاد لعن اللہ قاتلہ و ابن زیاد معہ ویزید ایضاً۔

(تاریخ الخلفاء صـ۱۴۴ او ۱۴۵ مطبوعہ مجیدی پریس)

پس امام حسینؑ قتل کردیے گئے اور آپ کا سر ایک طشت میں ابن زیاد ملعون کے سامنے لایا گیا۔ خدا امام حسینؑ کے قاتل اور ابن زیاد اور یزید پر لعنت کرے۔

اِس تحریر کے بعد پھر بھی اُس کا نام خلفاء رسولؐ کی فہرست میں لکھا گیا ہے اور اُس کی حیثیت ایک اسلامی حکمراں کی سی سمجھی جاتی ہے۔ حالانکہ خود ہی اُسے کافر ملعون مشرک، ملحد بھی کہا جاتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ مفتیان دین وعلماء مذہب وائمہ ہدیٰ کی تلون مزاجیاں کس عقل کے معیار پر منطبق ہوسکتی ہیں۔

قاتل امام حسینؑ کے کفر پر تمام مسلمانوں کا اجتماع

الامۃ اجمعت والائمۃ اتفقت علی الکفر واللعن قاتل الحسینؑ۔

(مناقب السادات ملک العلماء دولت آبادی)

تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور کل آئمہ کا اتفاق ہے کہ امام حسینؑ کا قاتل کافر اور مستحق لعنت ہے اس کے بعد کس کو اختلاف ہو سکتا ہے کہ یزید کافر اور ملعون نہیں ہے۔

(۱۹) (شہادت حسین) صفحہ ۳۵ میں مولوی عبدالحی فرنگی محلی کا حسب ذیل فتویٰ نقل کیا گیا ہے

بعضے در شان یزید براہ افراط و موالات رفتہ میگویند کہ وے بعد از آنکہ بہ اتفاق مسلماناں امیر شد اطاعتش برامام حسینؑ واجب شد و ندانستند کہ وے باوجود امام حسینؑ امیر شود بہ اتفاق مسلماناں کے باشد باجماعتے از صحابہ و از اولاد صحابہ خارج ازو بودند و برسے کہ حلقہ اطاعت او بگردن انداختند چوں حال او از شرب خمر و ترک صلوٰۃ و زنا و استحلال محارم معائنہ کردند بہ مدینہ منورہ باز آمدند و خلع بیعت کردند و بعض گویند کہ وے امر بقتل امام حسینؑ نہ کردہ نہ بران راضی بود نہ بعد ازاں بقتل امام حسینؑ و اہلبیت آنحضرت مستبشر شد۔

بعض لوگ یزید کی محبت کے نشہ میں یہ کہتے ہیں کہ جب وہ تمام مسلمانوں کے اتفاق کے ساتھ امیر تسلیم کر لیا گیا تھا تو امام حسینؑ پر بھی اُس کی اطاعت واجب ہو گئی تھی حالانکہ کہنے والے یہ نہیں سمجھتے کہ نواسۂ رسول کی موجودگی میں وہ کیونکر امیر ہو سکتا تھا مسلمانوں کا اتفاق و اجماع کب اور کیونکر ہوتا ہی صحابہؓ اور اولاد صحابہ کی جماعتیں اُس کے خلاف تھیں اور جو لوگ اُس کی بیعت کر چکے تھے۔ جب اُنھیں اُس کی شراب خواری۔ تارک الصلاتی۔ زنا۔ استحلال محارم (ماں بہنوں پر تصرف) وغیرہ کا علم ہوا تو وہ مدینہ منورہ میں آئے اور اُس کی بیعت سے انکار کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یزید نے قتل امام حسینؑ کا حکم نہیں دیا۔ اور نہ اس فعل شنیع پر راضی تھا اور نہ اُس کے بعد قتل حسینی و اہانت اہلبیت پر استبشار،،

ایں سخن نیز باطل است چنانچہ قال العلامۃ التفتازانی فی شرح عقائد النسفیہ۔

یہ بھی غلط ہے چنانچہ علامہ تفتازانی نے شرح عقائد نسفیہ میں اس کے متعلق اس طرح تحریر کیا ہے:۔

والحق ان رضا یزید بقتل الحسین واستبشارہ بذالک واہانتہ اہل البیت النبی مما تواتر معناہ۔

حق یہی ہے کہ یزید کی رضا نے حسین علیہ السلام کو قتل کرایا۔ اس کے بعد اُس کا مستبشر ہونا اور اہانت اہلبیت اُن واقعات میں سے ہیں جن کے وقوع پر تواتر ہو چکا ہے۔

بعضے دیگر گویند کہ قتل امام حسینؑ گناہ کبیرہ است نہ کفر۔ و لعنت مخصوص است بہ کفار۔

اسی طرح بعض کہتے ہیں کہ قتل حسینؑ گناہ کبیرہ ضرور ہے لیکن کفر نہیں ہے اور لعنت کفار کے ساتھ مخصوص ہے" اس لیے یزید لعنت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

نازم بر فطانت ایشاں۔ ندانستند کہ کفر بیکطرف خود ایذائے جناب رسولؐ الثقلین چہ ثمرہ دارد

وقال اللہ تعالیٰ اِنَّ الذین یوذون اللہ و رسولہٗ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرہ

یہ بھی اُن کی کمی عقل کی دلیل ہے کیا وہ نہیں جانتے کہ ایذائے رسولؐ بھی کوئی معمولی شئے ہے۔ قرآن مجید میں ہے:"

کہ جو لوگ خدا اور رسولؐ کو اذیت دیتے ہیں اُن پر دُنیا و آخرت میں خدا کی لعنت ہے۔

و بعضے گویند کہ خاتمۂ وے معلوم نیست شاید کہ وی بعد از ارتکاب کفر و معصیت توبہ کردہ باشد۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یزید کے آخری حالات تو معلوم نہیں ہو سکے ممکن ہے کہ اُس نے توبہ کر لی ہو اور اپنے اِس کفر و معصیت پر درگاہ خدا میں شرمندہ ہوا ہو۔

امام غزالی کا خیال

و مثل غزالی در احیاء العلوم بایں طرف است مخفی نہ باد کہ احتمال توبہ و رجوع از معاصی احتمالی است و الا آں نیے سعادت انچہ دریں اُمت کردہ ہیچ کس نہ کردہ باشد۔

اس کے علاوہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں اپنا یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ احتمال توبہ اور یہ کہ یزید نے شاید اپنے گناہوں کو محسوس کر کے خدا کی بارگاہ میں معافی مانگی ہو" اِس خیال کی ایک احتمال سے زیادہ وقعت نہیں ہے لیکن بہرحال جو کچھ اُس نے کر ڈالا کسی نے نہ کیا تھا۔

مولوی عبد الحی صاحب کی اِس تحریر سے قریب قریب اُن خیالات پر روشنی پڑتی ہے جو عام طور سے پھیلائے گئے ہیں اور اِسی قسم کی رکیک تاویلوں سے حسینؑ مظلوم کی عزاداری اور ہر دلعزیزی کو مٹانے کی سعی لاحاصل کی جا رہی ہے۔ تصویر کا ایک رُخ تو یہ تھا جسے ناظرین کرام کے سامنے پیش کیا گیا۔

اس کے ذریعہ سے اس کا پوری طرح اندازہ ہو سکتا ہے کہ والی دمشق کا کیرکٹر کس حد تک تعلیم اسلام کا متحمل تھا اور کہاں تک اوس نے تہذیب اسلامی کو برباد کیا اور عام اسلامی دُنیا میں اُس کے متعلق کیسے کیسے خیالات قائم کئے گئے اور اُن تمام خیالات کی تنہا ذمہ دار کیا چیز تھی۔ اس کے ساتھ ہیں نہایت مختصر الفاظ میں اس کا بھی ثبوت پیش کرنا ہے۔ کہ یزید کو حضرت یزید اور رحمۃ اللہ و خلیفۃ الرسولؐ اور امیر المومنین کہنے والے کون تھے اور عام نگاہوں میں اُن کی کیا پوزیشن تھی۔

اس کے متعلق سب سے پہلا قول ابو بکر عربی مالکی کا پیش کیا جاتا ہے۔ چنانچہ موصوف نے اپنے مخصوص الفاظ کے ساتھ اس کی پوری کوشش کر ڈالی کہ ابن معاویہ پر سے الزام قتل ہٹ جائے لیکن مشکل تو یہ ہے ع

جو چپ رہیگی زبان خنجر لہو پکاریگا آستیں کا۔

ابو بکر عربی کے وہ مشہور الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

ان الحسینؑ قتل بسیف جدہ

(امام) حسین (علیہ السلام) اپنے نانا کی تلوار سے شہید ہو۔

the new-born monarchy of the latter kingdom? The Judge, the living Creator was pleased to grant me an offspring, whom we called Ali Akbar, who has this day left us alone for ever. May I be offered for thee! While Ali Akbar my son was alive, I had indeed a sort of esteem and credit with thee, but now that my cypress, my newly sprung-up cedar, is unjustly felled, I have fallen of from credit too, and must therefore shed tears."

"HUSAIN"—"Be it known unto thee, O thou violet of the flower garden of modesty that thou art altogether mistaken. I swear by the holy enlightened dust of my mother Zahrah's grave, that thou art more honourable now than ever. I well remember the affectionate recommendations of Ali Akbar, our son, concerning thee. How much he was mindful of thee at the moment of his parting! How tenderly he cared for thee and spoke concerning thee to every one of his family."

UMMILAILAH"—'O gracious Lord, I adjure thee, by the merit of my son, Ali Akbar, never to lessen the shadow of Husain over my head. May no one ever be in my miserable condition, never be a desolate, homeless woman like me!

"HUSAIN"—"O thou unfortunate Zainab, my sister, the hour of separation is come! The day of joy is gone for ever, the night of affliction has drawn near! Drooping, withering sister, yet most blest in thy temper, I have a request from thee which I fear to make known."

"ZAINAB"—"May I be a sacrifice for thy heart, thou moon-faced, glorious sun, there is nobody here, if thou hast a private matter to to disclose to thy sister."

"HUSAIN"—"Dear unfortunate sister, who art already severely vexed in heart, if I tell thee what my request is, what will be thy condition then? Though I cannot restrain myself from speaking, still I am in doubt as to wihch is better, to speak, or to forbear."

"UMMILAILAH"—(the mother of Ali Akbar)—The elegant stature of my Akbar fell on the ground; like a beautiful cypress tree it was forcibly felled ! Alas for the memory of thy upright stature ! alas, O my youthful son of handsome form and appearance ! Alas my troubles at night-time for thee ! How often did I watch thy bed, singing lullabies for thee until the morning ! How sweet is the memory of those time ! yea, how pleasant the very thought of those days ! Alas ! where art thou, dear child ? O thou who art ever remembered by me, come and see thy mother's wretched condition, come !"

"HUSAIN"—(not knowing that it is Ummi Lailah who is crying)—"O Lord; why is this mournful voice so affecting. Methinks the owner of it, the bemoaning person, has a flame in her heart. It resembles the doleful tone of a lapwing whose wings are burnt ! like as when a miraculous lapwing the companion of Solomon the wise, the king of God's holy people received intelligence suddenly about the death of its royal guardian !

"HUSAIN"—"Again I am put in mind of my dear son ! O my heart, melted into blood; pour thy self forth ! Dear son, whilst thou wast alive, I had some honour and respect, every body had some regard for me; but since thou art gone, I am altogether abandoned. Woe be to me ! I am despised and rejected. Woe unto me !

"HUSAIN"—(addressing Ummi Lailah)—Do not set fire to the harvest of my soul any further. Husain is, before God, greatly ashamed of his shortcomings towards thee. Come out from the tent, for it is the last meeting before we seperate from one another for ever; thy distress is an addition to the heavy burden of my grief.

"UMMILAILAH"—I humbly state, O glory of all ages, that I did not expect from thy saintship that thou wouldst disregard thy handmaid in such a way. Thou dost show thy kind regard and favour to all except me. Dost thou not remember my sincere services done to thee ? Am I not by birth a descendant of the glorious kings of Persia, brought as a captive to Arabia when the former Empire fell and gave place to

for the good services thou hast perfomed, but I beg thy pardon for all inconsiderate actions on my part."

"FIZZAH"—"May I be a sacrifice for thee, thou royal ruler of the capital of faith ! turn not my days black, like my face, thou benevolent master. Truly I have had many troubles on thy behalf. How many nights have I spent in watchfulness at thy cradle ! At one moment I would caress thee in my arms, at another I would fondle thee in my bosom. I became prematurely old by my diligent services, O Husain ! Is it proper now that thou shouldst put round my poor neck the heavy chain of thy intolerable absence ? Is this, dear master, the reward of the services I have done thee ?"

"HUSAIN"—Though thy body, O heavenly mind, is now broken down by age and infirmity yet thou hast served us all the days of thy life with sincerety and love; thou must know, therefore, that thy diligence and vigilance will never be disregarded by us. Excuse me to-day, when I am offering my body and soul in the cause of God, and cannot help thee at all; but be sure I will fully pay the reward of thy services in the day of universal account."

"FIZZAH"—"Dost thou remember, good sir, how many troubles I have suffered with thee for the dear sake of Ali Akbar, the light of thine eyes ? Though I have not suckled him with my own breasts to be sure I laboured hard for him, till he reached the age of eighteen years and came here to Karbala. But, alas ! dear flourishing Ali Akbar has been this day cruelly killed-what a pity ! and I strove so much for his sake, yet all, as it were, in vain. Yea, what a sad loss !"

"HUSAIN"—"Speak not of my Ali Akbar any more. O heavenly maiden, nor set fire to the granary of my patience and make it aflame. (Turning to his sister) Poor distressed Zainab, have the goodness to be kind always to my mother's old maid, for she experienced many troubles in our family; she has laboured hard in nursing Ali Akbar my son."

next world. We rejoice in tribulations, seeing they are but temporary and yet they work out an enternal and blissful end. Though it is predestined that I should be mercilessly killed yet the treasury of everlasting happiness shall be at my disposal as a consequent reward. Thou must think of that, and be no longer sorry. The dust in the field of such battles is as highly esteemed by me, O sister, as the philosopher's stone was in former times by the alchemists, and the soil of Karbala is the sure remedy of my inward pains."

"KULSUM"—"May I be sacrificed for thee! Since this occurrence is thus inevitable, I pray thee, tell thy poor sister Kulsum her duty after thy death. Tell me, where shall I go; or, in what direction set my face? What am I to do? and which of thy orphan children am I to caress most?"

"HUSAIN"—Show thy utmost kindness, good sister, to Sukainah, my darling daughter, for the pain of being fatherless is most severely felt by children too much fondled by their parents, especially girls. I have regard to all my children, to be sure, but I love Sukainah most."

"FIZZAH '—(an old Female Slave of Hussain's mother) —Dignified master, I am sick and weary in heart at the bare idea of separation from thee. Have a kind regard to me, an old maid, much stricken with age! Master, by the soul do I swear that I am altogether weary of life. I have grown old in thy service; pardon me, please for all the faults ever committed by me."

"HUSAIN"—Yes, thou hast served us, indeed for a very long time Thou hast shown much affection and love toward me and my children. O handmaid of my dear mother Fatimah; thou hast verily suffered much in our house, how often didst thou grind corn with thine own hand for my mother! Thou hast also dandled Husain most caressingly in thy arms. Thou art black-faced, that is true, but thou hast. I opine a pure white heart, and art much esteemed by us. To-day I am about to leave thee, owing thee, at the same time, innumerable thanks

"HUSAIN' — 'O miserable creature, weep not now, nor be so very much upset; thou shalt cry plentifully hereafter owing to the wickedness of time. When the wicked Shimr shall sever my head from the body; when thou shalt, be made a captive and forced to ride on an unsaddled camel; when my body shall be trampled down by the enemy's horses, and trodden over; when my beloved Sukainah shall be cruelly slapped by Shimr my wicked murderer; when they shall lead thee away captive from Karbala to Sham; and when they shall make thee and others live there in a horrible, ruined place; yea, when thou shalt see all this, then thou mayest, and shalt verily, cry. But I admonish thee, sister, since this sad case has no remedy but patience, to resign the whole matter, submissively to the Lord, the God Maker of all !. Mourn not for my misfortune, but bear it patiently without giving occasion to the enemy to rejoice triumphantly on this account, or speak reproachfully concerning us."

"KULSUM"—"Thou struttest about gaily, O Husain, thou beloved of my heart. Look a little behind thee; see how Kulsum is sighing after thee with tearful eyes ! I am strewing pearls in the way, precious jewels from the sea of my eyes ! Let me put my head on the hoof of the winged steed, Zul Janah "

'HUSAIN'—'Beloved sister kindle not a fire in my heart by so doing. Take away thy head from under the hoof of my steed. O thousand-noted nightingale, sing not such a sad-toned melody. I am going away, be thou the kind keeper of my helpless ones."

KULSUM '—"Behold what heavens have at length brought upon me ! what they have done also to my brother ! Him they have made to have parched lips through thirst, and me they have caused to melt into water, and gush out like tears from the eyes ! Harsh severity is mingled with tyrannous cruelty.'

"HUSAIN'—Trials, afflictions and pains, the thicker they fall on man dear sister, the better do they prepare him for his journey to

quickly enough. Didst thou ever say thou hadst a Zainab in the tent? Is not this poor creature weeping and mourning for thee?,,

"HUSAIN"—"Dear sister, thou rest of my disquieted, broken heart, smite on thy head and mourn thou thousand-noted nightingale. Today I shall be killed by the ignoble Shimr. Today shall the rose be turned out of its delightful spot by the tyranny of the thistle; Dear sister, if any dust happen to settle on the rosy cheeks of my lovely daughter Sukainah, be pleased to wash it away most tenderly with the rose-water of thy tears? My daughter has been accustomed to sit always in the dear lap of her father whenever she wished to rest; for my sake, receive and caress her in thy bosom."

"ZAINAB"—"O thou intimate friend of this assembly of poor afflicted strangers, the flaming effect of thy speech has left no rest in my mind. Tell me, what have we done that thou shouldest so reward us? Who is the criminal among us for whose sake we must suffer thus? Take us back brother, to Madinah, the sacred monument of our noble grandfather; let us go home, and live like queens in our own country."

"HUSAIN"—"O my afflicted, distressed, tormented sister, would to God there were a way of escape for me! Not-withstanding they have cruelly cut down the cypress-like stature of my dear son Ali Akbar; not-with-standing Kasim my lovely nephew tinged himself with his own blood; still they are intent to kill me also. They do not allow me to go back from Irak, nor do they let me turn elsewhere. They will neither permit me to go to India, nor the Capital of China. I cannot set out for the territory of Abyssinia or take refuge in Zanzibar."

"ZAINAB"—Oh, how am I vexed in my mind, dear brother, on hearing these sad things! May I die, rather than listen to such affecting words any more! What shall we, an assembly of desolate widows and orphans, do after thou art gone? Oh, how can we live without our master?"

Enter soon among thy women, and with tears bid them a farewel; then come forth to war, and show us thy great fortitude."

'HUSAIN"—(talking to himself).-Although the accursed fellow Shimr, will put me to death in an hour's time, yet the reproachful language of the enemy seems to be worse than destruction itself. It is better that the foe should sever my head cruelly from the body than make me hear these impertinent words. What can I do ? I have no one left to help me, no Kasim to hold my stirrup for a minute when about to mount. All are gone ! Look around if thou canst find anyone to defend the descendant of Muhammad, the chosen of God-if thou canst see any ready to assist the holy family of God's Prophet ! In this land of trials there is no kind protector to have compassion on the household of the Apostle of God, and be friend them.

"ZAINAB"—May I be offered for the sad tones of thy voice dear brother ! Time has thrown on my head the black earth of sorrow. It has grieved me to the quick. Wait, brother, do not go till thy Kasim arrives. Have patience for a minute, my Ali Akbar is coming.

"Husain"—(looking around).-Is there one who wishes to please God, his maker ? Is there any willing to behave faithfully towards his real friends ? Is there a person ready to give up his life for our sake, to save us, to defend us in this dreadful struggle of Karbala ?"

"ZAINAB"—"O Lord, Zainab's brother has no one to assist or support him ! Occasions of his sorrows are innumerable, without anyone to sympathise with him in the least ! Sad and desolate, he is leaning on his spear ! He has bent his neck in a calamitous manner; he has no famous Ali Akbar, no renowned Abbas any more ! "

"HUSAIN"—Is there any one to pity our condition, to help us in this terrible conflict of Karbala" ? Is there a kind soul to give us a hand of assistance for God's sake ? "

"ZAINAB"—"Brave cavalier of Karbala, it is not fitting for thee to be so hurried. Go a little more slowly, troubles will come

than anything dear to it. Sacrifice for truth is a reward in itself. Religion understood in the proper sense of the word is a crusade for truth against falsehood. It should be the moto of our life to live and to die for truth. Truth may entail any sacrifice but we should be ever ready for it. Imam Husain should be the guiding star in our life from whom we can take inspiration and ameliorate ourselves fully well. Example is better than precept and it was through his martyrdom that Husain gave the example. Similarly we should try to be examples and ideals for fellow brethren as Husain was for humanity. Imbi-be the true spirit of Husain and see that wonders can be achieved.

The Al-Widaa of Imam Husain.

(By a Husaini from Zanzibar, E. Africa).

"HUSAIN"—I am sore distressed at the unkind treatment received at the hands of the cruel heavens. Pitiful tyranny is exercised towards me by a cruel, unbelieving army! All the sorrows and troubles of this world have overwhelmed me! I have become a butt for arrow of affliction and trouble. I am a holy bird stripped of its quills and feathers by the hand of the archer of tyranny and have become, O friends utterly disabled, and unable to fly to my sacred nest. They are going to kill me mercilessly, for no other crime or guilt except that I happen to be a prophet's grandson.

"SHIMR"—(challenging him)-O Husain, why dost thou not appear in the field? Why dost not thy majesty show thy face in battle? How long art thou going to sit still without displaying thy valour in war? Why dost thou not put on thy robe of martyrdom and come forth? If thou art indeed so magnanimous as not to fear death, if thou carest not about the whistling sounds of the arrows when let from the bow, mount thou, quickly thy swift horse named Zul Janah, and deliver thy soul from so many troubles. Yea, come to the field of battle, be it as it may.

order to get himself established on the throne demanded oath of allegiance from Husain. But how could Husain swear loyalty to one who was a pagan out and out He answered Yazid with a flat refusal.

And Yazid made up his mind to coerce Husain into Submission But Husain was a man who could never be coerced. He was prepared to resist him at all costs. Yazid by a clever stratagem surrounded Husain with a huge army and asked him to do *bait* to him. But Husain who stood for principle, the principle of up holding the cause of Islam against paganism fought Yazid till his last breath flinching not for a moment from his purpose, and was at last killed in the thick of fight.

To a superficial observer it may appear that Husain lost the battle and consequently his mission was a failure. For these observers I have an emphatic 'no' in reply. On the other hand Husain succeeded in his mission by his material defeat. His defeat was in reality his success. Husain laid his life for a noble cause and thus attested truth over falsehood. In his material defeat lay the secret of his success which was in spirit and not in form. Truly has the late maulana Mohammad Ali of revered memory said:—

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

There are some critics who say that Husain's struggle with Yazid was political in nature and not religious. May I know the data on which these critics base their conclusion. Did no Husain know that Yazid was a man in power and could rally forces against him any moment. Did not he know the poor strength of his force could no Husain, in view of the heavy odds against him come to terms with Yazid if it was a political struggle.

Now let us see as to what lessons were given by the great martyrdom of Husain. This martyrdom to my mind has varied lessons for humanity. The supreme sacrifice done by the great Imam instal into humanity a feeling of considering the cause of Truth to be highe

a greater attention and admiration from humanity than has uptill now been paid to him by it.

Let us now briefly trace the history of Islam after the demise of the great prophet of Arabia till the accession of Yazid that finally brought about the assassination of Husain in an open conflict with Yazid on the historical plain of Karbala. We know that the rapid progress made by Islam during the life of Mohammad excited the jealousy of a section of the Arab population who were ever on the attempt to create dissention in the Muslim rank and thus retard the onward march of the great movement of Islam began by the Holy Prophet Muhammad (May peace of Allah be upon him and his children). To their utter disappointment they could not find the apportune moment when they could strike the nail during Mohammad's own life. But no sooner was Mohammad passed away from this world than they began hatching plots against Islam to sweep it out of existence from the surface of the earth. This appeard in the shape of Yazid's accession to the throne of Islam after the death of his father Mayavia. It is a well known historical fact that Islam ever stood for democracy pure and simple which knows no distinction of caste, colour or race. It was in keeping with this principle that accession to the Islamic caliphate was made a matter of election

None could assume the reigns of caliphate through succession but he could do so only through election by majority. But quite in opposition to this rule Yazid took up caliphate by force caring not a bit for the popular feeling on the matter. This was the first un-Islamic action of Yazid. Leaving aside the question of breaking the Islamic law Yazid stood no better as a man. His private life was as base as his public. As a man he led the life of Debauch indulging freely in wine and woman and such other things forbidden by Islam. And no wonder Islam would have been completely washed out from earth by the un-Islamic conduct of Yazid, had not Husain appeared on the scene and attested the principles of Islam which were being Violated by Yazid in the name of the so called Islam. Soon after his accession Yazid, in

The circumstances under which Husain was compelled to suffer this agony have been described above though inadequately. Husain in such awfully trying cricumstances exhibited an excellence of physical, moral and spiritual worth of unequalled degree and thus carved for himself a name on the highest pinnacle of martyrdom and is guiding even to-day all the lesser stars of sacrifice and martyrdom. Considering all these cirumstances there cannot be two opinions about the claims of the greatness of Husain's sacrifice.

A NATIONAL HERO.

(By Molvi Nasirul Haque, Siwan.)

THE commemoration of the memories of the eminent personages of the world is a matter of common occurance. Hundreds of anniversaries and memorial meetings are held almost every day through out the world and scenes of great enthusiasm are witnessed on these occasions. Even in our own country we find Gandhi day, Tilak day and Malavia day etc. being celebrated every year. We may now ask overselves as to what are the utilities of these observances and as to why so much money is being spent over them. The simple answer to this question is that the community or the country responsible for these celebrations has only one object in view and that object to my mind is the keeping alive of the lessons of morality and spirituality in this world. In view of this fact I think the memory of Husain who occupies the most unrivalled position in the list of the great heroes of the world must be given a conspicuous place in our national observances, so that the great lessons taught by Husain the hero of Karbala should remain intact in this material ridden world, giving light to the dark humanity. It has been rightly said great men are the builders of civilisation and I think Husain's contribution to civilisation is far greater than that of any individual forming the galaxy of national heroes, and as such claims

by worldly motives of greed, wealth and lust of power.

"Indeed I will put an end to your (Husain's) life but I am sure that your father was the best of all beings who spoke after the death of the Prophet. I am beheading you to-day but I will suffer shame and remorse soon after. I understand very well that my destination is hell and hell only. Oh Husain I am shedding your blood and am not taking pity on the children of the Prophet."

This makes the position of Husain all the more clear. To kill one's father would be a most calumnous villainy imaginable. Husain, who looked upon the people of his grandfather as his own children, was put to death, with incomprehensible torture and his children and family were put to unimaginable agony by the same people, makes him the greatest martyr of the world. His anxiety to show the right path to his people was so great that the love of his children even did not stop him to sacrifice all that was dear and near to him only to save the tottering and dismembering fabrics of the faith of God. One is tempted again to repeat the words. "کارے کردي حسین کا ے کردي"

History is not poor in offering examples of people going on hunger strike as a measure of passive resistance and protest and the current Indian history is considerably rich in this respect. Husain also suffered from hunger and thirst for a period of three days only but every fair minded person will appreciate the difference of quality between the two kinds of hunger and thirst differing though apparently in length of time and duration. Things are though generally judged in this world on their face value but such kinds of judgments are wasted and decision, unless they take into account the intrinsic differences of merits and demerits, are sure to be shame and shallow.

Passive resistance exhibited by means of hunger strikes is though by no means trifling but the cricumstances in which it is undertaken is not unenviable and minus hunger strike most people will wish to experience it whole heartedly.

he deny it. The sacrifice of Husain, the grand-child of the chosen Prophet of God, was to resuscitate the mission of Muhammad (peace be on him), and so it had to be singular and unique in all respect and it is as the world knows it to be.

Husain's head when being carried to Damascus was pelted with stones and Guru Govind Singh also suffered the same fate when his was being carried to Delhi. The two instances look alike on the first sight but the difference is great. In the case of Guru Govind Singh the struggle was political and a common spectacle of the universal rule of nature, survival of the fittest, in the sphere of government and politics. The Sikhs have justification to regard him as a martyr for he fought for their cause. But what sympathy other than the one which a soft heart is ready to extend to all cases of sufferings can he command from others. His head was stoned by a woman who had lost her husband at the hands of Guru Govind Singh. The sacrifice of Jesus Christ under those considerations was more magnificent for he lost his life at the hands of his own people in his effort to show them the right path. Guru Govind Singh challenged the forces of Alamgir to wrest political power and not to teach him Gospel truth. He would have done the same what Aurangzeb did to him if his arms would have been victorious. If would have been certainly a matter of greater consequence if Guru Govind Singh should have suffered martyrdom at the hands of his own people while working for them in their own interest but if a Salahuddin kills a Richard it would not be a case of martyrdom commanding universal sympathy. If a Sikh would have killed the successor of the Guru only because he wanted them to follow the Gospel it would have been a case of real martyrdom. The antagonists of Husain at Karbala were neither Christians nor Jews. They claimed themselves to be the followers of Muhammad the grandfather of Husain and still they did what a human heart shou'd always be dispelled to do. It is a fact of history that the man who cut Husain's head, while running his dagger on his neck was uttering lines given below which show that his own conviction was against his own villainous act and he was prompted to his misdeed only

agony of death after receiving countless wounds on a body deprived by hunger and thirst of three days and nights, on the scorching sand on the hottest day of the year with the silvery Eupharates lapping and rippling yonder is certainly a suffering beyond human imagination. To die is easy, but to brace oneself to face death with mind full of ideas of the future of a family deprived of all its male members even of six months old babe except for a lean, pale sick man, specially when the future is clear like a scene on the screen—when one knows that the tender women and young children will be dragged on foot and compelled to traverse a distance of hundreds and hundreds of miles of burning sand with no shoes to protect soles, nothing to cover head and no protection from the blast of winds and the maddening heat of sun expcept meagre rags—when it is clear that the children of the Prophet, heavily chained, will have to suffer whipping, slapping and stone pelting nobody to console but instead the blood smeared head of their protector being carried on a spear to keep them reminded of the sufferings at Karbala—is a marvel of patience, fortitude and obedience to the will of God beyond ordinary human comprehension. Certainly Husain and Husain alone could have suffered in the way he did. He submitted with a smile on his lips and a splendour on his face to the dagger of calumny when the proud passion of the Hashemite blood was coursing through his veins and when a most deadly struggle could have been waged by him against the forces of Syria as the grand child of the Prophet (peace be on him) who had inherited all the Majesty and grandeur, both spiritual and secular, from him, had influence enough in the Islamic countries to command a host of millions under his banner (and it is not idle imagination as was shown later by the risings against the Ommeyads which ultimately led to their fall at the hands of the Abbassides who enlisted the support of the Persians on the pretext of avenging the death of Husain). Husain did so only because he was inspired with a sublime motive. He meant to sacrifice all that he could call his own and ideas of strategy and warcraft which led later claimants of the Caliphate to seek protection within the holy city of Karbala. He knew the critical condition of Islam that demanded his blood—rich, noble and pure—to gain back lost vitality and how could

Generally speaking all those deeds of piety and virtue which lessen the distance between God and human beings can be called acts of sacrifice but technically the term implies that impulse which inspires one to give up the dearest and nearest possession in the path of Almighty, the Most Beneficent and Merciful. To renounce wealth and affluence, to attain self-purification and to forsake all comforts of life are acts of magnificent sacrificial spirit. To undergo bodily torture and suffer agony for a right cause also commands admiration but when the question of life comes one meets the real test of his nobility of soul and sublimity of spirit which are the guiding forces of sacrifice. In the Holy Quran in a beautiful chapter known as Al-Kausar which means highest of good and prosperity there is promise of two things. The acquistion of all that is noble and good and the removal of all obstructions in the way of this acquistion. Really speaking these are the only objects of life. To attain the objects of life we ought to be guided by these principles according to the Holy Writ. First is deed of piety, second is refraining from evil and all that is forbidden and the third is sacrifice that is giving up everything we may love to possess *though we are justified to do so* but when higher ends demand our parting with them we ought to give them up. Thus the Holy Quran teaches that we cannot attain any good unless we are ready to part and do actually give up what we value in our possessions. "No one can deny the value of life we may be ready to give up every other thing if we could save life when it is in danger. In other words life is the thing we love to possess and Imam Husain gave the same."

In the history of religions we find that many sages and saints have cared little for their life when the question of defending their faith came and no alternative except sacrifice of life remained. We have cited many examples from Islamic history also of magnificent sacrifices. But sacrifice in circumstance of physical agony and mental torture of the most extreme type unparalleled in history for its callousness, deserves precedence of position and eminence of rank in all deeds of the kind. To die is easy, but to see one's darlings passing through

his own children and of those of his dead brother and cousins. the knowledge of the impending disaster to his women and children after his death hardly gave him a single minute's peace of mined. An ordinary mortal would have been sure to break down but Husain was different from other mortals and resoluteness of his purpose. the nobility of his cause and sublimity of his mission were reflected clearly and distinctly when the tragedy of his martyrdom was staged at Karbala. This tragedy proved itself unique in all respects. The hero and the villain both played their parts to their entire capacity and to its extreme flexibility. Husain distinguished himself as the greatest of all martyrs and Yezid showed himself to be the vilest of all villains.

As a matter of fact self-renunciation and sacrifice can be classified into two broad divisions. The first kind is concerned only with the life and circumstances of the individuals and the second kind goes beyond the ordinary tenure of one's life and is very far-reaching. Sacrifice is always inspired by higher motives. Nobility of soul and virtue of mind and thought give rise to ideas of sacrifice. All those actions of man in denial of self-comfort and in the interest of fellow mortals without any motive of self-interest or if we want to carry it even further to self-gratification inspired only and mainly by the idea of following the path of God which spontaneously lead to self-purification are called sacrifices. But all such acts of sacrifices belong to the first category and one is free to go to any extent with them keeping of course within the limit beyond which selftorture and danger of life begin. Any transgression beyond this line will amount to madness. Such acts of sacrifices can be performed by any body who has attained the refinement of soul and virtue of mind to some extent and is physically and mentally strong enough to meet his obligations and calls on his resources. But the sacrifices which belong to the second category are of the higher order. They require one to give up every thing in his possession inspired only with the motive of the service of humanity in the path of God and such acts of sacrifices can be performed only by those who get Divine inspiration and Divine guidance.

the sacrifice of Christ the splendour and glory of the martyr of Karbala who was the guiding light of all of them cannot be comprehended in its fullness. The sacrifice of Karbala is ceratnly the pride of all the other sacrifices and martyrdoms of the world The man who irrigated the dying tree of Islam to fruition with his blood deserves the admiration expressed in the line.

کارے کردی حسین کارے کردی

The Unparalleled Sacrifice of Husain.

The tragedy of Karbala was not common spectacle of unjust and atrocious treatment of piety and virtue. It was more than that. The hot drops of blood which fell on the sandy stretch along the Euphrates were though instantly absorbed in the thirsty bosom of the desert but even there they did not forget the task with which they were entrusted and the fruition and fructification of the Hashimites' blood soon manifested itself in the rejuvination of Islam which was being choked to death by the tightening hands of the Ommaiyad paganism and the Yezidite heresy. In modern medical science anæmia or loss of blood is treated by injecting fresh and healthy corpuscules into the body. Husain did the same by his sacrifice at Karbala. He treated the anæmia of Islam by using his own blood as well as that of his friends and children. But when we consider the circumstances under which he had to face this task of infusing life into the dying body of the greatest spiritual system of the world we cannot but find our hearts overfilled with admiration at the nobility of the purpose and the extreme sublimity of the sacrifice. Husain was called upon to spare his life and blood at a time when little of it was left with him. Three days of forced hunger and thirst on the open and barren sand of Karbala during the hottest part of the year can be imagined better than described This physical torture was also combined with mental suffering. The news of the treachery of the Kufites and the torturous death of his envoy and cousin Muslim bin Aqil combined with the sufferings of

of Islamic history he will find that its whole fabric is studded with unparalleled gems of noble and self-less sacrifice and patience and fortitude as shown in all such cases is a matter of marvel for the human feelings. In view of the above mentioned fact one can easily say, if he is not adjudged of partiality, that the persecution and crucifixion of Jesus Christ appears insignificant in comparison to the persecutions and tortures practised on even ordinary sons of Islam to deter them from the path of truth and righteousness. The sacrifice of Husain at Karbala was a much greater achievement than that of the following but we must remember that the tragedy of Karbala infused other martyrs with a spirit to hold fast to the cause of truth and justice even in the face of the danger of losing everything dear to one's soul even life. In 242 A. H. Shaikh Abu Yusuf Yaqub bin Ishaq was put to death by Mutawakkil by pulling his tongue out with forceps. One can imagine what agony it involves. Crucifixion or scaffolding becomes a blessing when compared to such torture. Shaikh smilingly met his fate and held fast to his convictions about the righteousness of his cause. In another instance Shaikh Shumsuddin Abu A'bdullah Muhammad another true son of Islam was put to death, in a most barbarous manner. He was at first beheaded then hanged, stoned and last of all burnt to ashes. The third instance was that of Qazi Nurullah of Shushter whose death is a hideous stain on the life and history of Jahangir. He fell a victim to a conspiracy of his antagonist Mullas in the Court of Agra and they out of spite for him persuaded Jahangir when he was tight to put an end to his noble life and also his righteous teachings. He was beaten to death by thorny whips. Such torture can better be imagined than described. In all those cases the martyr of Karbala shone as a guiding star and others received their inspirations of patience and fortitude from him which made them face the worst with a smile on their lips and light on their face.

Islamic history is full of similar tales of martyrdom and sacrifice while glancing over them one is apt to overlook and forget the crucifixion of Christ. When small stars like those mentioned above outshine

Pages of history tell us tales of torture and agony which drive us mad with shame and anger and it becomes difficult to restrain a soft heart from melting and a sympathetic eye from shedding tears. Human ingenuity in inventing singular methods of torture and agony is certainly awe-inspiring It is difficult to imagine innocent babes being put alive in a boiling cauldron of oil and thus fried only because their parents preferred to leave off their hereditary religion and embrace another which they considered right. In fact in comparison to this method of torture crucifixion seems a blessing.

The question who was the greatest martyr of the world remains still unanswered The next great religion is Islam and so far we have not explored pages of Islamic history. The very first page of Islamic history begins with tragic accounts of the persecutions the Holy Prophet Muhammad (peace be on him) had to suffer at the hands of the Meccans Then comes the short but tragic life of his only & only child Lady Fatima (peace be on her) and also the sufferings and the untimely and calculated martyrdom of Hazrat Ali (peace be on him, the first Imam and the fourth Caliph). Then comes the martyrdom of his son Hasan (peace be on him). But when we come into sight of the life of Husain, the third Imam we are struck by a new light and we find ourselves suddenly faced with the object of our inquiry. It is really impossible to single out any other person, starting from the early days of the world and finishing up to our own day, whose, courage and intrepidity, sufferings and sacrifices are the essence and soul of the history of martyrdom. The forlorn and forsaken hero of Karbala stands unparalleled in all respects of his heroism and martyrdom and the world has yet to produce somebody to beat his record which is not only highly improbable but impossible. These words may be scouted as the assertions of a devoted mind but in the following pages sufficient will be seen to dispel this belief. Religious belief as I have said before cannot convince people universally although it is capable of doing so locally and it is only plain logic and simple facts which go to root an idea in our minds.

If one is ready to take a little more trouble to go into the details

The sacrifice of Jesus Chirist is certainly beyond the shadow of fictions and is potent enough to stand scientific scrutiny. But the question is whether the crucifixion of Christ can be regarded as the greatest sacrifice in the history of mankind ? The answer should be in the affirmative if no other instance parallel to it can be found on the pages of history. Before proceeding with historical scrutiny it is better to look upon this sacrifice with a dispassionate eye. Lord Christ was crucified and suffered great torture for no fault of his own and the fate he was compelled to meet was grossly callous and atrocious. His body was fixed and pinned to the wooden cross by driving nails through his flesh and bone.* These facts are certainly heart-rending and deserve denunciation in the strongest terms. But the consideration is why Christ was put to such pains. If his antagonists wanted to put an end to his noble life to spare their infamous actions and misdeeds from his disapproval and denunciation they could have done it in a less objectionable way without giving demonstration of the villainous tortures. Was it because they wanted to subject him to singular pain and suffering ? It is really difficult to say what their real motive was but one thing which strikes us is that what we regard as highly inhuman and barbarous way of putting one to death was regarded as the only possible way of doing so at that time.† Those were not the days of eloctrucation and guillotine and the advanced notion of better treatment of convicts was quite out of sight. The pain and suffering to which Lord Christ was put was the same to which others were also subjected but they deserved punishment whereas Christ was guiltless and rather was incapable of any misdeed or even misdemeanour. In this respect only his sacrifice was certainly true and magnificent and deserves regret and sorrow as well as respect and reverence.

*The Holy Quran declares that Jesus Christ was neither crucified nor killed bust he was raised alive and therefore thes So called tortures have no meaning. Vide VI: 157 which runs thus:—"And their saying surely we have killed the Messiah Jesus Son of Mary, the apostle of Allah, and they did not kill him nor did they crucify him, but the matter was made dubious to them" (Editor.)

† Ch. VI: 158 (the Holy Quran) again declares:—"And they killed him not for certain But Allah raised him towards Him. And Allah is Mighty Wise" (Editor).

go wide apart and it becomes really difficult in many cases to make any successful attempt at reconciliation between the two ends. Thus an *autar* or *rishi* may be reigning supreme over the imaginations of a certain people due to his sublime piety and noble sacrifices but this cannot influence the mind and thought of those whose hearts do not reflect the image of spiritual magnificence of those *rishis* and *autars*, unless and until they can be convinced by plausible arguments and convincing reasons that they ought to pay homage to them in respect of their deeds of honour and acts of sacrifices. This is why history, inspite of all its sympathies with the anecdotes of self-sacrifice and noble virtue in the Ramayana and the Mahabharatha, has failed to support them as matters of historical truth although more than 20 million people of India are still ready to put their unswerving faith in their validity. In fact their importance and significance is local and not universal.

Of course there is ground to assert that the incidents mentioned in the Hindu Epics happened in an unhistorical age and in the absence of any authentic historical data it is difficult to appreciate their excellence but nevertheless they are true. But those who know even a little about the usefulness of the sciences of Archæology, Anthropology, Genealogy and Ethnology will hardly feel the weight of the claim mentioned as the above mentioned sciences which serve as handmaids to history are potent enough to dig out facts and cull out figures sufficient enough to stand the test of historical inquiry. The best historical research has gone no further than to discover that the Epics are but pieces of mythological fictions. Leaving this argument as closed we find that due to the want of dispassionate outlook and breadth of vision many instances of misguided sacrifices have also been applauded to the length of hoarseness although they deserve denouncement. In ancient Indian mythology we read that in many cases people in absence of provision slaughtered their sons to offer broth to their guests and those in need. How far this deserves serious consideration is plain and simple enough and one need not strain his mind and pen to comment upon such instances of misguided passion.

mind and understanding. Ask a Jain and he will put before you all those who have not failed at any moment to see that no living soul is tortured, even at the expense of their comforts and conveniences. Come to the Hindus of different schools of thought and they will all be able to satisfy your curiosity without the least inconvenience in the same way as the Buddhist and the Jain have done. Again, ask a Christian what instances he can give you of sacrifice and self-renunciation from the annals of his religion and he will tell you all about the life of Jesus Christ the saviour of humanity who passed through all imaginable tortures to atone for the sins of his people. He will certainly insist on you to believe that the sacrifice of Christ was the greatest offered in this world and in comparison to this all others pale down.

All of them are right in proclaiming their instances of sacrifice as the greatest in the history of the world within their own limits and according to their own vision. Certainly those instances were magnificent and a human being with the least bit of soft-heartedness will hardly fail to appreciate those deeds of self-renunciation and sacrifice and their example will ever illumine the dreary gloominess of human callousness in the pages of history. But at the same time we cannot shut our eyes to the fact that much of what we find in the pages of religious scriptures cannot stand the scrutiny of historical inquiry as a greater part of those instances of noble life have been meant to satisfy our common religious beliefs and in order to arrive at conclusion about the real magnificence and sublimity of those examples of life we will have to judge all of them one by one according to the standard of truth, justice and piety. This will, instead of reducing their spiritual splendour add to it just as a piece of gold shines true after being put to heat.

In fact belief is also a psychological phenomenon and it demands causes for its existence but in most cases causes are not perceptible at first sight and lead to differences according to the differences of vision and outlook of different people on the subject. Generally speaking belief and reason though not entirely incapable of compromise, in many cases,

in such a way as to leave no stain of doubt that the lives which they present as instances of sublime sacrifice are really more sublime such as to defy the capacity of human mind to express them and no other similar instances can near them in point of comparison.

A study of the evolution of religions will lead us to a detailed list of thoughts and beliefs together with those principles of piety which are essence of their teachings and then by steps we will come face to face to the noble achievements and sublime actions of the leaders of religion. It does not require a second thought to understand that teachings as long as they are cloaked in words only and are unsupported by action are mere dead letters. Such assertions and claims unsupported by arguments and reasonings fall merely on deaf ears so do the teachings of a creed if they are not demonstrated in terms of action. For a reformer of life and guide of soul the best weapon is his own character. A creed cannot hope to thrive unless its teachings are exhibited in the actions of its protagonists. Piety and self-purification in deed and thought are the back-bones of all spiritual systems. Indeed it is not a flourish of imagination but hard real fact which leads humanity to its highest pinnacle and invests the word (humanity) with meaning. The history of the world is full of chapters giving accounts of the rise, development and decline of religions many of them have long been burried in the pages of history and are known only to those who take the trouble to cull facts out of those pages, while others are still strong in the minds of the people and are directing their courses of life by their influences. But the one thing common to all of them is the demonstration of the principle mentioned above in their separate histories *i. e.* words of piety combined with deeds of sacrifice.

Question a Buddhist about instances of men and women who have sacrificed their lives in the interest of humanity and he will point to you a long list of names crowned with that of Lord Buddha who had really tried to give up every-thing that they owned in the best interest of their people though of course subject to the limitation of their own

THE

ISLAMIC WORLD

BUDAUN. U. P.

ol. 3. | JAN & FEBRUARY, 1940. | Nos. 11 & 12

THE MARTYR OF KARBALA

* بسم الله الرحمن الرحيم *

(With the name of God, the Merciful and Compassionate.)

THE world after its creation has had to witness countless spectacles of victimization and sacrifice and the history of the world offers quite an exhaustive catalogue of cases of self-renunciation and sacrifice engendered by sublime ideas and noble thoughts. From the time when the world was young till recently religion and spiritualism had a fascinating hold on the imagination of the people and all the noble manifestations of human thought and action were inspired by motives, religious and spritual. In fact sacrifice, self-renunciation, self-purification and all such sublime demonstrations of human mind and action are intertwined with soul and its conditions and religion in general caters for the requirements of the soul. This retrospective glance on the history of religions offers to our imagination bright spots of human sublimity here and there in the over clouding gloom of human degradations. Religions, great and small and Nations powerful and powerless have ever been occupied in proclaiming deeds of sacrifice and nobility in their history and all of them have tried to perform the task

THE ISLAMIC WORLD

BUDAUN. U. P.

Vol. 3. Jan & February, 1940. Nos. 11 & 12

S. No. *SPECIAL FEATURES.* *Page No.*

Regd. No. A. 3066

THE ISLAMIC WORLD

BUDAUN. U. P.

Vol. 3. JAN & FEBRUARY. 1940 Nos. 11 & 12.

ANNUAL SUBSCRIPTION.

INDIA Rs. 4/- SINGLE COPY (INDIA) -/7/-
FOREIGN Rs. 6/- .... FOREIGN -/9/-

HONORARY EDITOR ·
Dr. S. E. A. SHAH NAQVI.

MANAGER & PUBLISHER
ALI ASHRAF
KAZI STREET BUDAUN.

Printed by Abid Uddin at the Nizami Press, Budaun.